Title — SAADAT-E-MARYAMIYYA.

Creator - Maulvi Mohd. Saeed Sb-

Publisher - Sewak Steam Press (Lahore)

Date — 1913.

Pages — 194

Subjects —

سعادتِ مرضیہ

[illegible]

حضرت مریم علیہا السلام کی [illegible]

سعادت مریمیہ

از تصنیف عالیجناب مولوی محمد سعید صاحب [illegible] ماسٹر [illegible] ہائی اسکول

[illegible]

۱۹۱۳ء

[illegible] پریس [illegible] طبع ہوا

تعداد جلد ایک ہزار ۱۰۰۰

قیمت فی جلد [illegible]

معذرت

ناظرین! چھپائی کی خدمت کرانے میں
یا تو مجھے کبھی اکثر کتابوں کے چھپنے
کا کبھی اتفاق نہیں ہوا ہے۔ اس لئے قوی امکان ہے
کہ اس کتاب کی چھپائی میں کئی طرح کے سقم ہونگے۔ میں چونکہ ایک
ملازم شخص ہوں۔ مجھے اتنی فرصت نہیں ملی۔ کہ اپنی خواہش
کے مطابق اس کو چھپوا سکتا۔ اس لئے اگر اس کتاب میں چھپائی
وغیرہ کے متعلق کچھ خامیاں رہ گئی ہوں تو ناظرین معاف
فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ خاطر خواہ ہونگی۔

المؤلف

[illegible] سیکنڈ ماسٹر

گورنمنٹ ہائی سکول [illegible]

ضلع سیالکوٹ

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

انٹروڈکشن

صاحبان والاشان! اگرچہ مذہب کے بارے میں گفتگو کرنا آجکل کے فیشن کے بالکل برخلاف ہے۔ لیکن میں اس امر کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سچی راحت۔ اطمینان قلب۔ قناعت۔ اور اور صدہا اخلاق فاضلہ مذہب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ ان فوائد کی بنا پر میں عالم دوست صاحبان کی خدمت گرامی میں مذہب کے بارے میں ایک مختصر سی عاجزانہ و دردمندانہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اُمید ہے۔ کہ وہ میری خلاف فیشن گزارش کے اظہار پر اظہار رنجیدگی نہ فرماویں گے۔ اور اُسے ٹھنڈے دل کے ساتھ سننے کا فخر بخشیں گے۔ اور اگر اس کے سننے میں کچھ تکلیف محسوس ہو۔ تو خاکسار کو اس دردمندانہ سمع خراشی کے بارے میں معاف فرمائیں گے!۔

عرض حال

یوں تو سب مذاہب والے صاحبان طرح طرح کی مافوق الفطرت باتیں مانتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں اور آج سائنس دان [illegible] ان باتوں پر ہنستے ہیں۔ اور اس طرح سے تمام مذاہب کی حقا[illegible]ے جھٹلان پر ایک وجہ قائم ہو کر ان مذہبوں پر ایک قسم کے استہ[illegible]راتی ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے عام طور پر مذہب کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اس پر عملدرآمد کرنا چنداں ضروری خیال نہیں کیا جاتا۔ لیکن **اس بات** کا بڑا افسوس ہے۔ کہ قریباً قریباً تمام مذاہب میں بعض بعض باتیں ایسی بھی مانی جاتی ہیں۔ جو واقع میں مافوق الفطرت نہیں ہیں۔ لیکن عوام لوگ ان کو مافوق الفطرت ہی مانتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ اگرچہ ان باتوں کے مافوق الفطرت ہونے کے بارے میں مقدس کتابیں تو کانوں پر ہاتھ رکھتی ہیں۔ لیکن لوگ ہیں۔ کہ خواہی نخواہی ان کو مافوق الفطرت ہی بتاتے ہیں۔ اور زبردستی ان کو مقدس کتابوں کی طرف ہی منسوب کرتے چلے جاتے۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی بات پر خوش ہونا چاہتے ہیں۔ کہ ان کے مذہب میں تمام مافوق الفطرت باتوں کا ہی مجموعہ بھرا ہوا ہو تا کہ لوگ اُسے عظمت کی نگاہ سے دیکھ کر مرعوب ہوں۔ اور اس بات پر راضی اور قانع نہیں ہوتے۔ کہ ان کی مقدس کتاب میں بھولے سے

کسی فطری بات کا بھی اظہار ہو۔ جس سے سچائی کے حقیقی طالب کچھ فائدہ اُٹھا سکیں :-

یہی حال ولادتِ مسیح علیہ السّلام کے مسئلے کا ہے۔ اگرچہ قرآن شریف شروع سے آخر تک بڑی شدومد کے ساتھ اس عقیدے کو مافوق الفطرت ماننے والوں کے حق میں طرح طرح کی تہدیدیں فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ فرماتا ہے۔ کہ اس عقیدے کے سبب سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جاوے اور زمین شق ہو جاوے۔ پہاڑ ریزے ریزے ہو کر گر پڑیں۔ بلکہ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ کہ اور گناہ بخشے جائیں تو بخشے جائیں۔ لیکن یہ گناہ ہرگز نہیں بخشا جا سکتا۔ کہ لوگ جنابِ مسیح علیہ السّلام کی ولادت کو مافوق الفطرت مان لیں۔ یعنی اس کو بلا باپ پیدا شدہ مانیں :-

گویا ایسا کہکر قرآن شریف اُن تمام لوگوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ جو شرک کو ایک خفیف سا گناہ سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے واسطے نجات کو قطعی طور پر ناممکن ٹھیراتا ہے۔ اور اُن کے تمام دیگر اعمالِ صالح کو گاوخورد کر جاتا ہے :-

لیکن لوگ ہیں۔ کہ اُن کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ اور کسی کے کان کھڑے نہیں ہوتے۔ کہ صبر کے ساتھ اتنا تو سُن لیں۔ کہ قرآن شریف کیا دُہائی دے رہا ہے۔ اور وہ کس گناہ کو ناقابلِ بخشش قرار دے رہا ہے۔ اور وہ کیوں شرک کو ناقابلِ بخشش ٹھہراتا ہے۔ اس کا

جواب بالکل صاف ہے۔ کہ اسلام شرک ہی کے مٹانے کو دنیا میں آیا اور اسی پر اسلام کو سچا اور واقعی طور پر فخر تھا۔ اور (ادعائی طور پر) ہے اور (انشاءاللہ تعالےٰ) ہوگا۔ اور اس کا ثبوت بھی بالکل صاف ہے۔ اور مسلمانوں کا مجموعہ او بار پکار پکار کر زبانِ حال سے اس بات کی گواہی دے رہا ہے۔ کہ مسلمان لوگ کسی ناقابلِ بخشش گناہ کے مرتکب ہو گئے ہیں اور گناہ تو بخشے بھی جا... اور اس واسطے وہ مسلمانوں کی قوم کی تباہی کے موجب قرار... ہیں جا سکتے۔ شرک کے علاوہ سب سے بڑا گناہ جو ان تیرہ سو سالوں میں مسلمانوں سے وقوع میں آیا۔ وہ معرکۂ کربلا ہے۔ جس میں مسلمانوں نے اپنے پیغمبر کے حقیقی نواسے کو جس کو قرآن کریم میں فرزندِ نبی وابنِ رسول علیہما الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی سے یاد فرمایا ہے۔ بڑی بے رحمی کے ساتھ بے آب و دانہ بھوکا پیاسا شہید کیا۔ یا کروایا۔ ب کہ وہ عین سر کے جدا ہونے کے وقت بھی موت کی پرواہ نہیں کرتے ہے۔ بلکہ خشک زبان سے "انا عطشان" فرما کر پیاس پیاس کر رہے تھے اور نہ صرف آپ کی وردمندانہ شہادت پر اکتفا کیا گیا۔ بلکہ اُن کے شیر خوار بچوں اور بھائی کے بچوں کو بھی ذبح کیا گیا۔ اور پھر بڑی بے شرمی اور بیحیائی کے ساتھ اہلبیت صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کی فضیحت روا رکھی گئی۔ اور مستورات پردہ نشینوں کو قید کر لیا گیا۔ اور اُن کی چادریں بھی چھین لی گئیں۔ اور ایسا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روحِ مبارک پر درود کی بجائے (نعوذ باللہ) لعنت بھیجی گئی۔

لیکن اُس زمانے میں بھی مسلمانوں پر یہ نکبت اور ادبار غالب نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ اب نازل ہوا ہوا ہے۔ اللہ اکبر۔

صاحبان! میں کیا۔ اور مذہب کے بارے میں کتاب لکھنا کیا۔ یہ خدا تعالےٰ کا ہی فضل ہے۔ کہ میں نے ولادت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک مختصر سی کتاب لکھی ہے جس میں اس بات کو نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ کہ (۱) [illegible] اعلےٰ حضرت نبینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی پیدائش [illegible] نہ تھی۔ اور وہ خاص ایک مرد (یوسف نجار) کی صلب سے پیدا ہوئے تھے (۲) آپ کو بلا باپ پیدا شدہ ماننا ہی ایک خوفناک شرک ہے۔

صاحبان۔ میں بڑی خوشی کے ساتھ اور سچے دل سے اس امر کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ بنی فاطمہ میں سے ایک بزرگ یعنی حضرت سر احمد خاں صاحب بالقابہم مرحوم مغفور رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مبارک تفسیر القرآن وغیرہ میں اس مسئلے پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اور اپنے خاندان کا مذہب بتایا ہے۔ اور اس بارے میں آپ کی روح کو اور آپ کے جانشینوں اور وارثوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔ لیکن میں اکابرانِ اُمت سے اس امر کے اظہار کی معافی مانگتا ہوں۔ کہ آنجناب کے پیش کردہ دلائل کی روشنی اتنی کافی نہیں ہے۔ کہ شکوک و شبہات کی تاریکی کو مٹا سکے۔ اور غالباً یہی وجہ ہوئی ہے۔ کہ آج ہندوستان کے نامی گرامی جلیل القدر علمأ و فضلا میں سے تو درکنار۔ عوام الناس میں سے بھی کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا۔

جو اِس بارے میں سرسید احمد خانصاحب رحمۃ اللہ کا کم از کم ظاہری طور پر ہم خیال ہو۔ اللہ اکبر:۔

علیگڑھ کالج تو درکنار اِس وقت تمام ہندوستان کے باشندے علیگڑھ یونیورسٹی یا محمڈن یونیورسٹی کے تہِ دل سے خواہاں ہو کر عملی طور پر اِس بات کا بڑے زور شور سے ثبوت دے رہے ہیں۔ کہ واقعی سرسید احمد خانصاحب کی خدمات قابل تحسین۔ اور نہ صرف اہلسنت وجماعت کے مسلمان بلکہ شیعہ صاحبان کے جمیع فرقے کیا چشتی کیا قادری کیا سہروردی کیا احمدی کیا اہلحدیث کیا اہل قرآن کیا اسمٰعیلی وغیرہ سب کے سب حضرت سرسید احمد خاں صاحب کی بنیادی کارروائی کے بیک دل وزبان مداح اور آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اور اس مشہور ے کی زور شور سے تصدیق فرما رہے ہیں:۔ ؎

آنچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از ہزار رسوائی

لیکن اِس بنیادی مسئلے سے جس کو آنجناب نے بڑی محنت سے ثابت کرنا چاہا۔ اور ایک حد تک کر دیا۔ اور جو کہ خدا کا کلام ہے۔ اور جس پر مسلمانوں کی نجات کا مدار ٹھہرایا گیا ہے۔ اُس کے ماننے میں مسلمانوں کے جمیع فرقوں کو تامل ہے۔ اللہ اکبر:۔

گویا خدا کے وعدوں اور وعیدوں کی مسلمانوں کو پرواہ نہیں ہے۔ اور انسان کی سوچی ہوئی تدبیروں پر عمل کرنے کا ان کو از حد

فکر لگا ہوا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ میں یونیورسٹی کے بننے کا مخالف ہوں۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر یونیورسٹی بنوا کر بھی اُس میں وُہی دقیانوسی مذہبی تعلیم (جس میں کربلا جیسے ہولناک واقعے کو تاریک کرنے کی غرض سے وضعی احادیث و روایات غیر معتبرہ و مسائلِ دور از قیاس و علوم غیر فرضیہ و بدعاتِ شنیعہ و مشاغلِ فضول کے انبار جمع کر کے دکھائے گئے ہیں) جاری رکھی جاوے گی۔ تو اس تعلیم کی حمایت میں ایک یونیورسٹی نہیں۔ بلکہ اگر لاکھ یونیورسٹیاں بھی کام کریں۔ تو بھی وہ مسلمانوں کو ایک انچ تو کیا ایک انچ کا لاکھواں حصہ بھی آگے نہیں بڑھا سکتیں۔ اللہ اکبر:-

جائے تعجب و افسوس ہے۔ کہ مسلمان صاحبان سرسید احمد خانصاحب مرحوم مغفور کے عملی فعل کی تو اس قدر قدر کرتے ہیں۔ لیکن آپ کے مبارک قولوں میں سے ایک چھوٹے سے قول کی بھی رائی کے دانہ کے برابر عظمت نہیں کرتے۔ اور اس کی روح کو ایک منٹ کے لاکھویں حصے کے لیے بھی خوش نہیں ہونے دیتے۔ کیا وہ ایسا کر کے اُن صاحبان کا سا نمونہ نہیں رکھتے ہیں۔ جو پہلے آپ ہی آلِ رسول میں سے کسی سید صاحب کو شہید کرتے ہیں۔ اور پھر اس بزرگ کی قبر پر خانقاہ بنا کر اُس خانقاہ کی پرستش کرنی شروع کر دیتے ہیں:- اللہ اکبر۔

دوستو! میں نے اس کتاب میں بڑی آب و تاب سے اس امر کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ واقعی ولادتِ مسیح علیہ السلام کے بارے میں حضرت سرسید احمد خانصاحب مرحوم

مغفور رحمۃ اللہ علیہ کا خیال بالکل درست تھا۔ اور اختلافُ اُمتی رحمۃٌ
کے مشہور مقولے کے بموجب یہہ تو جائز ہے کہ مسلمانوں میں فروعی اختلافات
کی بنا پر ایک سے تین اور تین سے بارہ۔ اور بارہ سے بہتر فرقے موجود
ہوں۔ اور ممکن ہے کہ ان میں سے بعض۔ یا اکثر یا سب کے سب ناجی
بھی ہوں۔ لیکن یہہ کبھی [illegible] نہیں ہے۔ کہ شرک جیسے مکروہ عقیدے
کو [illegible] رکھتے ہوئے بھی [illegible] کا کوئی فرقہ (اگر وہ تعداد میں علم میں
عمل میں دولت میں قوت میں دلائل میں حسب میں نسب میں اُن
میں سے ایک بات میں یا بہت سی باتوں میں خواہ دوسرے فرقوں
سے متمیز بھی ہو) ناجی ٹھہر سکے۔

معزز صاحبان! میں نے اس کتاب میں (حصری طور پر نہیں
صرف) تائیدی طور پر کہیں کہیں انجیل شریف کی مبارک آیات بھی درج
کردی ہیں۔ اس لئے میں ان تمام صاحبان سے جو انجیل شریف کے مطالعہ
کو گناہ سمجھتے ہیں۔ معافی مانگتا ہوں۔ اور میں نے یہہ کام زیادہ تر اس
لئے کیا ہے۔ کہ میں نے ضمنی طور پر اس کتاب میں حقانیتِ رسالتِ جناب
رسول کریم کو بھی ثابت کیا ہے۔ اور اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ
اس کے مطالعہ سے خدا کے کلام کی عظمت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اور
کلام الٰہی کی نسبت بے ساختہ کہنا پڑتا ہے۔ لَیْسَ هٰذَا مِنْ کَلَامِ الْبَشَرِ
اور ایک منصف مزاج دہریہ یا نیچرلسٹ کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے
کہ حضرت محمد مصطفٰےؐ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوتوں میں اشتراک

لانا ضدی یا بے سمجھ آدمیوں کا کام ہے۔ اور کیا قرآن شریف اور کیا انجیل شریف دونوں ہی الہامی کتابیں ہیں :-

الغرض اس طرح سے اس کتاب کے مطالعے سے ایک زبردست اور گناہ سوز ایمان پیدا ہو جاتا ہے۔ مبارک وہ جو اس مسئلے میں تدبر فرماویں

بہر حال ہم کو اس بات کے ماننے [illegible] قطعاً انکار نہیں ہے۔ اور ہم بڑے شوق سے مانتے ہیں۔ کہ ہر [illegible] میں بعض عقائد مافوق الفطرت بھی ہیں۔ جن کو ہم یا تو محض تصور [illegible] سے مانتے ہیں۔ تاکہ ہم اس کو صحیح مان کر اس کو دیگر مجہول الکنہ نتائج کی علت قرار دے سکیں۔ خواہ واقع میں وہ تصوری صحیح ہو۔ یا نہ ہو۔ جیسا کہ ہندو صاحبان بنی نوع انسان کی حالت کے اختلاف کی بنا پر تناسخ کو صحیح مانتے ہیں۔ گو وہ واقعی طور پر صحیح ہو یا نہ ہو :-

یا ہم اربعۂ متناسبہ کے طور پر نظیر کی بنا پر استدلال کر لیا کرتے ہیں خواہ وہ نتیجہ متناظر اور متماثل واقعے کے بارے میں صحیح ہو یا نہ ہو :-

مثلاً سب مسلمان لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو آدم کی ولادت کے مشابہ قرار دیکر اس کی پیدائش کو بلا چوں و چرا بلا باپ تسلیم کر لیتے ہیں۔ آہاہاہا۔ اُہوہوہوہو :-

الغرض ہر ایک مذہب مافوق الفطرت عقائد کے بارے میں اس قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔ جس قسم کے فلسفہ پیش کرتا ہے۔ اور اس لئے اصولی طور پر ایک حد تک نہ فلسفہ کسی مذہب کو کاٹنے کا فخر رکھ سکتا ہے۔

اور نہ سائنس :-

لیکن جب کسی مذہب کے پیش کردہ دلائل اپنے ہی معیاروں کے بموجب ایک جہت سے صحیح ہوں۔ اور دوسری جہت سے غلط ہوں۔ تو کسی اہل مذہب کا حق نہیں رہتا۔ کہ وہ اس مقررکردہ تھیوری یا اربعہ متناسبہ کو قائم رکھے :-

مثلاً ولادتِ مسیح کے بارے میں آدمؑ کی مماثلت ظاہری طور پر تو بالکل [illegible] ہے۔ لیکن جب ہم اس میں ایک اور مشابہت بڑھاتے ہیں۔ یعنی "حملِ مریم" تو حملِ مریم" کے ساتھ آدمؑ کی نظیریوں اُڑ جاتی ہے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ کیونکہ حملِ مریم کی نظیر آدم میں تو کیا آدم کے فرشتوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اور یہ [ظا]ہر ہے۔ کہ قرآن کریم میں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عدم الوہیت کا بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح مریم کی عدم الوہیت کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اگر [ا]ن کی الوہیت کے بطلان کو ثابت کرنے کے لئے ایک نظیر کی ضرورت ہے۔ تو دوسری [ک]ی الوہیت کو کاٹنے کے لئے نظیر کی ضرورت کو تسلیم کیوں نہ کیا جائے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ متماثل نظائر میں اربعہ متناسبہ ہمیشہ کافی نہیں ہوا کرتا بلکہ بعض دفعہ ستہ متناسبہ بھی نکالنا پڑتا ہے :-

اور بعض دفعہ اربعہ متناسبہ کے نتیجہ کو ستہ متناسبہ کا نتیجہ بالکل بیخ و بنیاد سے اُڑا دیا کرتا ہے۔ کاش کوئی صاحب اسے سمجھے :-

الغرض ہمیں مطلق مافوق الفطرت عقائد سے نہ کوئی نفرت ہے نہ [illegible]

دشمنی ہے ۔ ہم خوشی سے اُن کو ذریعۂ ایمان سمجھتے ہیں ۔ لیکن جب کوئی الہامی کتاب کسی مافوق الفطرت عقیدہ کی مخالفت پر لٹھ چلا رہی ہو ۔ اور ستو باندھ کر اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہو ۔ اور بے طرح اُس کی مخالفت پہ تلی ہوئی ہو ۔ تو پھر کوئی صاحب اگر بے سمجھی سے ان ہونی باتوں کے منوانے پر بانولی واعظوں کی طرح لوگوں کو مجبور کرتے پھریں ۔ تو یہ اُن کی [illegible] دھرمی نہیں تو اور کیا ہے ۔

الغرض میں نے اس مختصر سی کتاب [illegible] انی کے ساتھ صحیح مسئلے کو قرآن شریف کی آیات سے خصوصاً اور سیرتِ رسول سیرتِ خلفا اور تابعین کے تمسک سے عموماً روزِ روشن کی طرح ثابت کر دکھایا ہے ۔ اب بھی لوگ اگر ایسے نہ سمجھیں گے ۔ تو وہ جانیں وہ ان کے نصیب ۔

میرا حال تو یہ ہے ۔ کہ اسی صحیح مسئلے نے جو کلام اللہ شریف اور انجیل شریف میں بڑی عقلمندی اور دقیقہ رسی سے فرشتوں کے پہرے کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے میرے ایمان کو نہ صرف تازہ کیا ہے ۔ بلکہ قائم رکھا ہے ۔

اور میں اس کا تحدیث بالنعمت کے طور پہ تمام دنیا کے روبرو تذکرہ مبارک اور ذکرِ خیر کرتا ہوں ۔

تا لوگوں کو بھی اس ایمانی حلاوت کا مزہ آوے ۔ والسّلام

خاکسار محمد سعید سیکنڈ ماسٹر
گورنمنٹ ہائی سکول گجرانوالہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

دیباچہ

وجہ تالیف کتاب

اوّل :- اللہ اللہ ایک زمانہ وہ تھا۔ کہ تمام مسلمان اپنے بچوں کو شروع عمر میں قرآن شریف سب سے پہلے پڑھوایا کرتے تھے۔ یا اب وہ زمانہ آگیا ہے۔ کہ چند خواص کے سوا عام لوگوں میں قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے کا رواج ہی ترک ہو چلا ہے۔ اس کی وجوہات تو بہت سی ہیں۔ لیکن ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ لوگوں کے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کی ضرورت اور اس کے منجانب اللہ ہونے کا کامل ایمان ہی نہیں۔ اور اس ضعیف الایمانی کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔ کہ جو صاحبان مسلمانوں میں سے آج کل کی مروجہ تعلیم کے اکھاڑے میں بہت سی بازیاں جیت کر اعلےٰ اعلےٰ درجوں

کے خیالات چھوڑ دیئے۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف دھیان رکھنے لگا۔ اِسی حالتمیں میں نے طرح طرح کے اَسرار دیکھے۔ اور طرح طرح کی ایسی باتیں دیکھیں۔ جن کی بابت مجھے یقین نہ آتا تھا۔ لیکن جب متواتر میں نے وُہی باتیں دیکھیں۔ تب میرے ایمان میں قوت پیدا ہوگئی۔ اور اُسی [illegible] قوّت سے معمور ہو کر میں نہایت عاجزی کے ساتھ ایک بڑے [illegible]ی مسئلے کے متعلق قلم اُٹھانے لگا ہوں۔ اور اللہ تعالٰے سے [illegible] کرتا ہوں۔ کہ وہ مجھے اِس بارے میں کامیاب فرما دے اور میری محنت کو ٹھکانے لگا دے۔ آمین۔

مُدعا

[illegible]ہارم:۔ میرا اِس کتاب لکھنے کا ایک مدعا تو یہہ ہے۔ کہ جناب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادتِ مبارک کے عقیدے پر کامل روشنی ڈالوں۔ اور وہ عقیدہ جو بنی نوع انسان کو ہلاکت تک پہنچا رہا ہے اس کی بیخ کنی کروں۔ اور دوسرا خاص الخاص مدعا یہہ ہے۔ کہ اِس مسئلہ مبارک کے ثبوت کرتے ہوئے ضمنی طور پر یہہ بات بھی ثابت کروں۔ کہ قُرآن شریف اِلٰهامِي كِتَابْ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ اور حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ و آلہ واصحابہ نبی برحق ہیں۔ اور دنیا کے طبقے پر کسی آدمی کی روحانی وجسمانی نجات نہیں ہوگی۔ جب تک کہ اُس کو اِن ہر دو بزرگوں کی رسالت کی حقانیت

پر کامل ایمان نہ ہو۔ اور تمام خواندہ مسلمانوں پر فرض ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن شریف اور اس کے ترجمے سے بھی آگاہ کریں۔ اور سخت تاکید کریں۔ کہ ان کے بچے بھی بڑے ہو کر اپنے بچوں کو یہ کامل کتاب پڑھائیں۔ اور اس طرح سے نسلاً بعد نسلٍ اس سلسلے کو جاری رکھیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو دین و دنیا میں خائب و خاسر و ناکام و نامراد رہیں گے۔ اور نہ صرف قرآن شریف کو ہی مطالعہ میں رکھیں۔ بلکہ انجیل شریف کا بھی مطالعہ کریں۔ تاکہ ان پر اللہ تعالےٰ کی رحمت کا نزول ہو۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے جیسا قرآن شریف پر ایمان لانا فرض ہے۔ ویسا ہی انجیل شریف پر۔ جیسا کہ قرآن شریف کے عین شروع شروع میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ج اس جگہ بعض

اور (اے پیغمبر) جو (کتاب) تم پر اتری اور جو تم سے پہلے اتریں ان (سب) پر ایمان لاتے ۔

مسلمانوں کو یہ وہم لگا ہوا ہے۔ کہ انجیل شریف محرّف مبدّل ہے۔ حالانکہ تحریف و تبدیل کے بارے میں جس قدر آیات کلام اللہ شریف میں ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ذکر نہیں ہے۔ کہ انجیل یا توریت محرف مبدّل ہے۔ بلکہ ان مقامات پر لکھا ہوا ہے۔ کہ یہودی لوگ ہاں ہاں یہودی لوگ نہ کہ عیسائی صاحبان توریت شریف کی باتیں بتانے کے وقت الٹ پلٹ کر کے بتا جاتے ہیں۔ پس اس الزام سے کم از کم عیسائی صاحبان تو بالکل بری ہیں۔ لہٰذا

انجیل شریف محرّف مبدّل نہیں ہے۔ ملاحظ ہوں قرآن شریف کے مقامات ذیل۔ سورۃ النساء پارہ ۵ رکوع۔ سورۃ مائدہ پارہ ٦ رکوع در رکوع۔ سورۃ البقر پارہ اول رکوع۔ اور توریت شریف بھی محرّف مبدّل نہیں ہے۔ کیونکہ چند نافہم لوگوں کی غلط بیانی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کی کتاب بھی بدل گئی ہو۔ اور ترجموں کا غلط ہونا نہ صرف ابھی زبانی و ترتیب ہی میں ممکن ہے۔ بلکہ قرآن شریف میں بھی ممکن ہے چند آیات سنئے:-

نوٹ اس مقام پر بعض صاحبان کو یہ وہم نہ گزرے کہ ہم اس اصول واپنے مقصد کو ثابت کرنے کے لئے لازمی ٹھہرا رہے ہیں۔ حاشا وکلّا اپنے مقصد کو ثابت کرتے ہوئے ہم نے قطعاً اس اصول کا استعمال نہیں کیا ہے۔ بلکہ اپنی کتاب میں ضمنی طور پر اس کے ثبوت کو مکمل کر دیا ہے۔ اور ہمارے دلائل محض محض قرآن شریف سے ہی ہیں۔ باشاذ ونادر طور پر سیرت صحابہ سے بھی اخذ کئے گئے ہیں:-

نوٹ:- یہ کتاب میری ایک اور ضخیم کتاب سعادتِ احمدیہ کا خلاصہ ہے جس کو میں نے کچھ تو بوجہ قلتِ استطاعت نہیں چھپوایا۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ آج کل لوگ اختصار پسند ہو گئے ہیں۔ اس کو خلاصے کی شکل میں چھپوایا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ یاری دے گا۔ تو اصل کتاب بھی چھپوانے کا ارادہ ہے۔ اور وہ کوئی ہزار صفحے کی ضخیم کتاب ہے۔ لہٰذا اگر کسی صاحب کو کسی بات کی سمجھ اچھی

طرح نہ ہووے۔ تو وہ یا بذریعۂ جوابی خط مصنف سے پوچھ لیوے یا اصالتاً خاکسار کے پاس قدم رنجہ فرما کر اپنی تسلی فرمالیوے۔ یا دوسری مفصل کتاب کے چھپنے کا انتظار فرماوے۔ یہ حصہ اعتراض مفصل کتاب کا خلاصہ ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں کچھ جزوی اعتراضات کا مفصل جواب کسی صاحب کو [illegible] ہاں مفصل کتاب میں ہم نے تمام باریک سے باریک اور [illegible] سے خفیف تمام ممکن اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ اور اس کتاب میں صرف ایک قسم کا ان کا اجمالی بیان ہی ہے:۔

شکریہ

سب لوگ اپنی اپنی تصانیف میں خاص خاص معاونوں کا شکریہ ادا کیا کرتے ہیں۔ لیکن میں اولاً اس پروردگارِ حقیقی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے مجھے اس مسئلے کے متعلق سمجھ بخشی۔ اور اسی ضمن میں میں ان تمام بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کی وساطت سے میں اس مقام پر پہنچا۔ کہ مجھے حق اور باطل کی تمیز ہوئی۔ خدا ان کو جزائے خیر دے۔

ثانیاً میں گورنمنٹ انگریزی کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس کے سائے تلے مجھے اظہارِ حق کی توفیق ملی ہے۔ فی الواقع گورنمنٹِ انگریزی پر بھی خدا کا خاص الخاص فضل ہے۔ اور یہ وہی مبارک گورنمنٹ ہے

جس کے ماتحت شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ اور ہر ایک آدمی کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اور تمام لوگوں کو اپنی اپنی جگہ پر اپنے عقائد کے اظہار کے لئے اور اپنی عبادات کے بجا لانے کے بارے میں پورے اختیارات حاصل ہیں۔ ایسا فضل ہندوستان میں بہت کم ہوا ہے۔ او[illegible] یہ ملک اس بارے میں تمام روئے زمین کے ممالک سے ہمیشہ مبارک [illegible] ہے۔ اور دیگر ممالک کی نسبت یہاں مذہبی آزادی شروع ہی سے زیادہ رہی ہے۔ لیکن اس زمانے میں انگریزی گورنمنٹ کی طفیل اب پوری آزادی ہے۔ اور اب وہی زمانہ ہے کہ کھلے بازاروں میں بت پرست لوگ اپنی مورتیوں کے جلوس نکالتے ہیں۔ اور تقیہ کرنے والے اصحاب اپنے عقائد کا اظہار بر سر بازار ادا کرتے ہیں:-

الغرض ہم خاص طور پر گورنمنٹِ انگریزی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کے زیرِ سایہ ہمیں اظہارِ حق کا موقع ملا ہے۔ خدا اس مبارک گورنمنٹ کو دیر تک قائم رکھے۔ اور اس کے زمانے میں علوم و فنون و علوم حقہ کی اشاعت میں کبھی کمی نہ ہو:-

خاکسار
محمد سعید سکنڈ ماسٹر
گورنمنٹ ہائی سکول گوجرانوالہ

سورۃ الزخرف رکوع کی چودھویں آیۃ

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝

(بالفرض خدائے) رحمٰن کے (کوئی) اولاد ہو تو سب [illegible] اس کی عبادت کرنے کو میں (حاضر) ہوں

دلائل ضمنی

سعادت احمدیہ

دفعہ ۱

اس کتاب میں مندرجہ بالا عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے دو قسم کی آیات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اوّل وہ آیات ہیں۔ جن سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن شریف کا میلان کس عقیدے کی طرف ہے۔ اِس قسم کی دلائل کا نام ہم دلائلِ ضمنی رکھتے ہیں۔ اور دوسری وہ آیات ہیں جو براہ راست صحیح عقیدے کو بیان فرماتی ہیں۔ اُن کا نام ہم دلائلِ قطعی رکھتے ہیں۔ اور ہر ایک کا بیان نمبروار کیا جاتا ہے :-

اولادلائل ضمنیہ

وقعہ ۲

پہلی آیت ۔ سب سے بڑی جلیل القدر آیت جو اس بارے میں ضمنی روشنی ڈالتی ہے ۔ وہ قرآن اخلاص کی تیسری آیت لَمْ یَلِدْ ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے بڑے زور سے فرمایا ہے ۔ کہ اللہ تعالےٰ کا بیٹا کوئی نہیں ہے ۔ جیسے سورۃ اخلاص پارہ ۳۰ رکوع ۳۴

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

(اے پیغمبر یہ لوگ تم سے خدا کا حال پوچھتے ہیں تو تم ان سے) کہو کہ وہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ۔ اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے ۔

وقعہ ۳

اس آیت شریفہ کے بارے میں ایک جلدباز شخص کہہ سکتا ہے ۔ کہ ہم لوگ جو حضرت عیسیٰ کو بلا باپ پیدا شدہ مانتے ہیں ۔ تو آپ کیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا ولد (بیٹا) تو قرار نہیں دیتے ۔ اس کے جواب میں عرض ہے ۔ کہ ہر ایک انسان اپنی اپنی فطرت کے مطابق قیاس کرنے اور دلائل بیان کرنے کا مقتدار اور مجاز ہے ۔ کہ جب صحیفہ فطرت میں ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ کوئی انسان بلا باپ پیدا نہیں ہوتا ۔ اور ادھر سے ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ اللہ تعالےٰ اس بات سے بالکل پاک ہے ۔ کہ وہ جسمانی طور پر انسان کی طرح کسی دوسرے انسان کا باپ بنے ۔ تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا بھی ایک جسمانی باپ تسلیم کریں۔ کیونکہ اگر ہم ایسا نہ کرینگے۔ تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا۔ کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی باپ ایک غائب وجود والا دیوتا تھا۔ جس کو خدا کر کے پکارا گیا ہے۔ بعضے کوتاہ بین لوگ اس مقام پر کیڑوں مکوڑوں و حشرات الارض کی مثال پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ مثال دو وجہ سے باطل ہے۔ اوّل تو قرآن شریف نے [illegible]ل کا کہیں بیان نہیں فرمایا۔ اور دوسرے کیڑے مکوڑوں کی ولادت و خلقت [illegible] انسان کی ولادت و خلقت سے کرنا سخت جہالت ہے۔ کیڑے مکوڑوں کی روحوں اور انسانوں کی روحوں میں کوئی باہمی خلقی اتحاد قرآن شریف سے ثابت نہیں (خُلقی مشابہت کا میں منکر نہیں ہوں) اور قرآن کریم تناسخ روحی کا قائل نہیں ہے۔ اگر کیڑے مکوڑوں کی روحوں اور انسانی روح میں کوئی اتحاد ہوتا۔ یا کم از کم قرآن کریم تناسخ روحی کا قائل ہوتا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ مثال ایک حد تک کافی تھی۔ الغرض یہ مشابہت ایک تناسخ کے ماننے والے کے منہ سے تو نکل سکتی ہے۔ لیکن مسلمان لوگ اس مشابہت کے بیان کرنے کے حقدار نہیں ہیں:۔

دفعہ

بعض مسلمان لوگ اس مقام پر حضرت آدم علیہ السلام کی مثال دیا کرتے ہیں۔ اور ایک آیت بھی پڑھکر سنایا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے:۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ

اللہ کے ہاں جیسے آدم ویسے عیسیٰ کہ (خدا نے) مٹی سے آدم (کے پتلے) کو بنا کر اسکو حکم دیا کہ (آدم) بن اور وہ بن گیا

(پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران رکوع ۶ کی پانچویں آیت)

لیکن اگر غور کیا جاوے۔ تو اس آیت شریف میں حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک مشترک مماثلت ومشابہت بیان کی گئی ہے۔کہ دونوں ہی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور دونوں ہی خاکی ہیں (ان میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ) دونوں ہی کُن فیکون کی ذیل کے اندر ہیں۔ اور دونوں ہی کسی صاحب ارادہ کا فعل [illegible] اور آپ آپ پیدا نہیں ہوئے۔ ان میں ان کی خلقت کا ذکر ہے۔ [illegible] کا۔ اور یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اس بے گناہ آیت سے حضرت آدم کی تو خلقت کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا استدلال کیا جاوے۔

دفعہ ۵

الغرض اس آیت مقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ولد اللہ ہونے یا نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس کے خدا نہ ہونے کی دلیل کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ اسی رکوع میں ساتھ لگتی آیات میں آگے چلکر بڑے زور شور سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور حضرت محمدؐ صاحب کو مباہلے کے کرنے کی تاکید فرماتا ہے

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

(اے پیغمبر یہ ہے) حق بات جو تم کو تمھارے پروردگار کی طرف سے بتائی جاتی ہے تو کہیں تم بھی شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔ پھر جب تم کو عیسیٰ کی حقیقت معلوم ہو چکی اس کے بعد بھی تم اسکے بارے

میں کوئی کٹ حجتی کرنے لگے تو (ایسے لوگوں سے) کہو کہ (اچھا تو میدان میں) آؤ (ادھر) ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں (ادھر) تم اپنے بیٹوں کو (بلاؤ) اور (نیز) ہم اپنی بیٹیوں کو (بلائیں) اور تم اپنی بیٹیوں کو (بلاؤ) اور ہم اپنے تئیں (بھی شریک کریں) اور تم بھی اپنے تئیں (شریک کرو) پھر ہم (سب مل کر خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں؛

اور مباہلے کے ذکر کے بعد ۳۱ ... کا نتیجہ اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے:۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(اے پیغمبر) یہ (جو فرمایا ہے ہم نے) بے شک یہی بیان واقعی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ وہی (سب سے) زبردست (اور حکمت والا ہے)

اس پچھلی آیت کا ترجمہ جو مباہلے کے ذکر کے بعد بیان فرمائی گئی ہے۔ یہ ہے (جو ہم نے اوپر فرمایا) بے شک یہی بیان واقعی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی **معبود نہیں** اور بیشک اللہ وہی سب سے زبردست اور حکمت والا ہے:۔

وقفہ ۶

اس درمیانی فقرے پر آکر اوپر کی ساری بحث کا خلاصہ آنہیں آ ہے (کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اور اسی فقرے پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس اوپر والی آدم کی آیت شریفہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف مفروضہ الوہیت کا ہی رد فرمایا گیا ہے۔ نہ کہ ان کی مفروضہ ابنیت کا (و الوہیت دونوں کا) جیسا کہ عام طور پر تفاسیر مروجہ میں پایا جاتا ہے۔ اور

اسی وجہ سے ہمارا اوپر کی آیت کے ترجمے میں خطوط وحدانی کے اندر یہ تبر لانا کہ (اس میں سے کوئی بھی خدا نہیں ہوسکتا الخ) نہ صرف جائز اور صحیح ہے۔ بلکہ ضروری اور لازمی ہے:-

دفعہ ۸

اور قطع نظر اسکے اگر اور آپ تنزل مان بھی لیا جاوے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام و حضرت آدم علیہ السلام میں پھر بھی ایک مشابہت تھی۔ کہ ان میں سے ایک بلا والد پیدا ہوا۔ اور دوسرا بلا والدین۔ تو یہ کوئی مشابہت نہیں۔ کیوں کہ اوّل تو والد اور والدین میں مساوات نہیں ہے۔ اور دوسرے امور منفیہ یعنی سلبیہ کی مشابہت کوئی مشابہت نہیں ہوا کرتی۔ مشابہت ہمیشہ امور ثبوتیہ یعنی مثبتہ کی ہوا کرتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بیان بھی فرمادی ہے (وَخَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ)

فرض کرو کہ زید و عمرو دو آدمی ہیں۔ ان میں سے ایک جہازران ہے۔ اور دوسرا سنار ہے۔ تو زید اور عمرو میں یہ کوئی مشابہت نہیں ہوسکتی۔ کہ دونوں حجام نہیں ہیں۔ دونوں بڑھئی نہیں ہیں۔ دونوں کاشتکار نہیں ہیں۔ دونوں خالد کے ماموں نہیں ہیں۔ اس لیئے وہ دونوں ایک دوسرے کے مثیل ہیں۔ مشابہت کی وجہ تو کوئی مثبت ہونی چاہئے۔ نہ کہ منفی۔ مثلاً وہ دونوں آپس میں بھائی ہی ہوں۔ ایک باپ اور ایک ماں کے بیٹے ہوں۔ یا ایک باپ (جب کہ وہ دونوں دو ماؤں کے بیٹے ہوں) کے بیٹے ہوں۔ یا ایک ماں کے بیٹے ہوں (جب کہ وہ دونوں دو

باپوں کے بیٹے ہوں) پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام میں یہہ کوئی مشابہت نہیں۔ کہ ہم یہ قیاس کریں۔ یا قیاس کرنے کا وہم بھی کریں کہ اُن میں سے ایک بلا والد پیدا ہوا تھا اور دوسرا بلا والدین۔ خصوصاً جبکہ آدمؑ کے بلا والدین پیدا ہونے کا قرآن کریم میں ذکر بھی نہ ہو۔ اور آدمؑ سے مراد عام انسان بھی ہوں۔ نہ کہ صرف ایک [illegible] ایک خاص لوگوں کا پیغمبر تھا جیساکہ اللہ تعالےٰ نے سورۃ اعراف کے [illegible] رکوع کی پہلی آیت میں بڑے زور شور سے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

تحقیق ہم نے پیدا کیا تم کو پھر صورت بنائی تمہاری پھر کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو

اس آیتِ شریف سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن کریم کی اصطلاح کے بموجب ہر ایک انسان کو آدم کہہ سکتے ہیں۔ نہ کہ صرف آدم علیہ السلام کو تو پھر جبکہ یہہ حال ہے۔ تو آدم کے اِس معنوں کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آدم کے درمیان اِس سے بڑھکر کونسی مشابہت قائم کروگے۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنی پاک کلام میں آپ ہی درج فرمادی ہے۔ اور جو ہر ایک آدمی پر صادق آسکتی ہے:۔ (خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنَ) کیونکہ خلقتاً ہر ایک انسان مٹی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے ماننے میں کسی کو کلام نہیں:۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بھی کلام اللہ شریف

میں اس بات کی کہیں تصریح نہیں ہے۔ کہ وہ بالضرور تمام دنیا کے ابتدائی آدمی تھے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اسی سورۃ کے رکوع ۴ کی تیسری آیت میں فرماتا ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۙ ذُرِّیَّۃً

اللہ نے دنیا جہان کے لوگوں پر (ترجیح دیکر) آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو چن

بَعْضُہَا مِنْ اور آپ اللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

لیا ہے (یہ لوگ ہی آدم کی اولا[illegible] کا۔ ایک) ایک اور اللہ (سب کی) سنتا اور سب کچھ) جانتا ہے: ۱۲

دوسری آیت شریف سے اتنا تو ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ آدمؑ کی اولاد سے حضرت نوحؑ اور حضرت نوحؑ کی اولاد سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ابراہیمؑ سے آلِ عمران کے لوگ پیدا ہوئے ہوں گے۔ لیکن پہلی آیت سے اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ آدمؑ کو کن لوگوں میں سے اللہ تعالےٰ نے برگزیدہ کیا تھا۔ ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا منشا اُن کو اُن کی اولاد میں سے چُننے کا ہو۔ اور اولاد ہی سے اُن کے انتخاب کرنے کا تذکرہ یہاں درج ہو۔ لیکن اس بات کی یہاں تخصیص نہیں ہے۔ اور عالمین کا لفظ عمومیّت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ خصوصیّت پر۔ بہرحال دفعہ کی یہ دلائل اگر کمزور بھی ہوں۔ تو بھی کوئی ہرج کی بات نہیں۔ کیونکہ دفعہ ۵ و دفعہ ۶ کے دلائل کافی طور پر ثابت کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ اور عیسیٰؑ کی مشابہت بیان کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ کی خلقت کا۔ اور اس بات کی تائید ذیل کی دلیل سے بھی کما حقہ ہوتی ہے

دفعہ

اگر یہ ضروری سمجھا جاوے۔ کہ آدمؑ کی مشابہت والی آیت شریفہ سے اللہ تعالےٰ کا منشا نہ صرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مفروضہ الوہیت کو باطل کرنے کا ہے۔ بلکہ اس کی مفروضہ ابنیت کا بھی قلع قمع کرنا اُس کا مقصود ہے۔ (جیساکہ تشبیہوں کے بیان سے استنباط ٹوٹ جایا کرتی ہے) تو اِسی اُصول کے مطابق حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی تشبیہ کہاں سے پیدا کروگے۔ جس کو تمہارے خیال کے [illegible] اغاو نہ حمل ہو گیا تھا۔

جس حالت میں تم اس بات کو جائز ٹھہراتے ہو۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مشابہت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو دونوں باتوں یعنی ولد اللہ اور اللہ ہونے سے روکتی ہے۔ اور تمہارے خیال کے مطابق اسی غرض کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ مشابہت بیان کر دی ہے۔ تو کیا یہ ضروری نہ تھا۔ کہ اللہ کوئی ایسی نظیر بھی بیان فرماتا۔ جس سے ایسا ہو جاتا کہ حضرت مریم علیہا السلام کا حمل آدم سے تا ایندم بے نظیر ثابت نہ ہوتا۔ اس کی کوئی نہ کوئی نظیر اُسے دینی ضروری تھی۔ تاکہ اس کی بے نظیری حضرت مریم علیہا السلام کا خدا یا خدا کا کفو یا خدا کی (بیوی) صاحبہ ہونے پر ایک زبردست اور محکم دلیل نہ قائم ہو جائے کیونکہ بلا حمل لڑکا پیدا ہونیکی وجہ سے مریم علیہا السلام کو ایک فرقہ اللہ تعالےٰ کا ایک اقنوم یا اس کی صاحبہ (بیوی) یا خود اللہ ہی مانتا ہے۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ نے ایک مقام پر اس بارے میں اشارہ بھی فرمایا ہے :-

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

اور قیامت کے دن یہ معاملہ بھی پیش آئیگا کہ اللہ تعالےٰ کہے گا اے ابن مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کے علاوہ مجھکو اور میری والدہ کو خدا کے سوا دو معبود بناؤ؟

اور پھر فرماتا ہے۔ سورۃ انعام رکوع ۱۳ میں :۔

اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ؕ

اور اس کی اولاد کیوں ہونے لگی جبکہ کبھی اس کی کوئی جورو ہی نہیں

اور پھر فرمایا ہے۔ سورۃ جن رکوع ۱ پارہ تبارک الذی

وَّاَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا ۙ وَّاَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ

اور ہمارے پروردگار کی بڑی اونچی شان ہے اور اُس نے تو کسی کو اپنی جورو بنایا اور نہ کسی کو بیٹا بیٹی اور ہم میں (کچھ) احمق (ایسے بھی تھے) جو خدا کی نسبت بڑھ بڑھ کر باتیں بنایا کرتے تھے :۔

پس جب اللہ تعالےٰ نے حضرت مریم علیہا السّلام کی مفروضہ صاحبیت کاٹنے کے لئے بنی نوعِ انسان میں کسی عورت کی نظیر پیش نہیں فرمائی تو اُس کی طرف سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی مفروضہ ولدیت یا ابنیت (ولد اللہ ہونے یا ابن اللہ ہونے کے عقیدے) کو کاٹنے کے لئے کیوں نظیر پیش کرنے کی ضرورت کو جائز اور صحیح قرار دیا جاوے پس قطعی اور ضمنی طور پر ثابت ہو گیا کہ اِس تشابہت والی آیت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وِلادت کے متعلق صراحتاً یا کنایتاً کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ اور اِس آیت سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بلا باپ پیدا شدہ ماننا قطعی طور پر لغو۔ غلط اور باطل ہے :۔

دفعہ ۹

دوسری زبردست آیت جو ضمنی طور پر اِس مسئلے پر روشنی ڈالتی ہے

وہ یہ ہے (سورۃ النساء رکوع ۲۲)

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا

اور (نیز) اُن کے کفر کی وجہ سے اور مریم کی نسبت بڑے (سخت بہتان) (کی باتیں) بکنے کی وجہ سے

یہ آیت ایک پورا جملہ نہیں ہے۔ اور ماقبل و مابعد کی آیات کو ملانے سے اِس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے حق میں فرماتا ہے کہ یہودیوں کو چند وجوہات سے اللہ تعالیٰ نے پھٹکار دیا۔ اور منجملہ اُن چند وجوہات کے ایک یہ وجہ تھی۔ کہ انہوں نے [illegible] (حضرت) مریم علیہا السلام پر بڑے سخت بہتان کی باتیں کیں۔

اب موجودہ عقیدے کو اِس آیت شریف کی کسوٹی پر رکھو اور پرکھ کر دیکھو۔ کیا وہ عقیدہ اس آیت شریفہ کی موجودگی میں ایک سکنڈ یا طرفۃ العین کے لئے بھی ٹھہر سکتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو یا اُس کی طرف سے اُس کے کسی رسول کو یا رسول مقبول کی طرف سے اُس کے کسی خلیفۂ وقت کو یا کسی خلیفۂ وقت کی طرف سے کسی منصف مزاج عادل مومن کو حق پہنچ سکتا ہے۔ کہ وہ ایک مافوق الفطرت عقیدہ نہ ماننے کے جرم میں ایک قوم کی قوم کو موردِ غضب و لعنت ٹھہرائے۔ اگر یہ حال ہے۔ تو کیوں روئے زمین کے کل مسلمان عیسائیوں یا ہندوؤں کی طرف سے جو طرح طرح کے مافوق الفطرت عقیدے مان رہے ہیں۔ مثلاً کفارہ تثلیث۔ تناسخ۔ لعنتی قرار نہ دیئے جائیں۔ اور کیوں اُن پر دھینگا دھینگی طرح طرح کے فردِ جرم نہ لگائے جائیں۔ ذرا غور کرکے دیکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ قضا کے طور پر اُن کے کفر کی وجہ سے یہودیوں کو لعنتی یا مغضوب تو ٹھہرا سکتا ہے

لیکن انصاف پسند مفتی کی حیثیت میں ہو کر فتوے کے طور پر اُن کے قول پر گرفت نہیں کر سکتا۔ جبکہ ساتھ ہی یہ بھی مانا جائے۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام بلا باپ پیدا ہوئے تھے۔ پس اگر تم چاہتے ہو۔ کہ یہودی خواہ مخواہ مغضوب یا ملعون ٹھہرائے جائیں۔ تو تم اللہ تعالےٰ کو قاضی ٹھہرا کر محض اُن کے کفر کی بنا پر ایسا کر سکتے ہو لیکن اُن کے محض قول کی بنا پر ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ پس بہتر علاج یہی ہے۔ کہ اس بیہودہ عقیدے سے باز آؤ۔ یا ہمت کر کے قرآن شریف سے بِکُفْرِہِمْ کے بعد کا جملہ کاٹ ڈالو۔ تاکہ تمہارا خود ساختہ عقیدہ بننے کا ثبات ہے۔ یا اللہ تعالےٰ کو ظلام للعبید۔ اور بیجا حمایت کرنے والا ٹھہراؤ۔ یا مریم کو اس کی بیوی ٹھہراؤ۔ جس کی بیجا حمایت کے لئے وہ نعوذ باللہ سینہ سپر ہو کر یہودیوں کو ترکی بہ ترکی جواب سنا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کو محض بُری بات کا سننا ہی ناگوار ہوتا ہے۔ اور اس کی بنا پر اس نے یہودیوں کو بھی ایسا کہہ لیا ہے۔ جیسا کہ اس نے اسی (چھٹے) سیپارے کے عین شروع کی ابتدائی آیت میں بڑے زور شور سے فرمایا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ

(جس کا ترجمہ یہ ہے اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی (کسی کو) منہ پھوڑ بُرا کہے

لیکن اسی آیت کے ساتھ ساتھ ہی فرمایا ہے

اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا

مگر جس پر (کسی طرح کا) ظلم ہوا ہو (اور وہ منہ پھوڑ کر ظالم کو بُرا کہہ بیٹھے تو معذور ہے) اور اللہ سب کی سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے

اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ایسی عادل سمیع علیم ہو۔ کہ وہ مظلوم کو معذور قرار دے۔ لیکن تم ایک غلط عقیدہ کی حمایت کرکے اس عادل سمیع علیم ذات کو اپنے وعدوں سے پھر جانے والا منوا رہے ہو۔ اور اُن یہودیوں کو جو فطرت کی حدود کے اندر اندر صادق القول ہیں۔ اور ایک رنگ میں مافوق الفطرۃ قول کی شہادت نہ دینے کی وجہ سے فطرتاً حق [illegible] بنا برآں درگاہِ ایزدی میں مظلوم ہیں۔ کیوں خواہ مخواہ مغضوب و ملعون ٹھہرا رہے ہو۔ اگر تمہارے معیاروں کے بموجب یہودی محض ایک مافوق [illegible] عقیدے کی تائید میں تمہارے یا تمہارے خدا کے ساتھ قولی طور پر متفق نہ ہوں۔ اور بنا برآں لعنتی کہلانے کے مستحق ہوں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہتان کے معاملے میں چند دنوں کے لئے حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں تم کو کس فتوے کا جاری کرنا منظور ہے۔ جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے مشورے سے حضرت عائشہ علیہا السلام اور اس کی لونڈی سے قسم لیکر پوچھا تھا۔ اور باوجود قسم کے اُن کی باتوں کا اعتبار نہ کیا تھا۔ اور پھر الہامِ الٰہی سے ہی اُن کو تسلی ہوئی تھی۔ اور اُن کی اپنی فطرت نے انہیں تسلی نہ بخشی تھی۔ آیا اُن کو بخشش دو گے۔ یا اُن کی فطرت کو ظالم ٹھہراؤ گے۔ ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالکر دیکھو۔ اگر خدانخواستہ تم میں سے کسی کے گھر میں تمہاری لمبی غیر حاضری میں حمل ..... ہو جائے۔ تو اس پر بہتان باندھو گے یا اس کو صدیقہ۔ نبیہ۔ صالحہ قرار دو گے۔ پس بصورتِ اوّل تم کو کیوں یہودیوں کی طرح لعنتی نہ قرار دیا جائے۔ جب تم لعنتی بننے کے

لیے تیار نہیں ہو۔ تو تم کس منہ سے یہود یوں پر اس الزام کے قائم کرنے کا حق رکھ سکتے ہو۔ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا۔ جب تمہارا اپنا ضمیر تمہیں اندر سے ملامت کر رہا ہے۔ کہ خبردار بیچارے یہودیوں پر الزام نہ لگانا۔ اور جب تمہارے اسوۂ حسنہ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعمال سے عائشہؓ کے بہتان عمدہ کے بارے میں سکوت فرما کے اپنی فطرت صحیحہ کا اظہار کر دیا۔ تو کیا ابھی تک تم اللہ تعالے کا منشا نہیں سمجھتے۔ جس نے کمال عدل وانصاف سے قول کے بارے میں ناطق فیصلہ فرما دیا لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا۔

دفعہ ۱۰

پس اگر تم چاہتے ہو۔ کہ مفتی کی حیثیت میں ہو کر فتوے کے طور پر یہودیوں کو ملزم گردانو۔ تو پہلے اپنا عقیدہ مافوق الفطرت کو قوانین کی حدود کے اندر اندر لا کر بہ آواز بلند کہو۔ کہ ہاں ہاں حضرت مریم علیہا السلام کا حمل اپنے خاوند جائز سے ہوا تھا۔ لیکن یہود بے بہود ظالمانہ طور پر حضرت مریم علیہا السلام پر بیجا طوفان باندھتے تھے۔ حالانکہ ایسا کہنے کے بارے میں ان کے پاس کوئی شہادت نہ تھی۔ محض جھوٹ اور افترا کے طور پر وہ ایسا کرتے تھے۔ اور دل میں جانتے تھے۔ کہ ہمارے پاس کوئی شہادت وغیرہ تو ہے نہیں۔ لہٰذا تم کو بھی اور تمہارے خدا کو بھی ان کے اس جھوٹ کی پاداش میں جو خبیث بد باطن آدمی کے اندر سے نکلا کرتا ہے یہودیوں کو مغضوب ٹھیرانے کا حق پہنچ سکتا ہے۔

دفعہ ۱

تیسری آیت شریفہ جو اس عقیدے پر براہِ راست روشنی ڈالتی ہے وہ سورۃ تحریم پارہ تبارک الذی ۲۹ رکوع ۲ کی آخری آیت شریفہ ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ

(ترجمہ) عام مسلمانوں کو عموماً اور اُن ازواج مطہرات اُمہات المومنین کو خصوصاً جو حضرت خدیجہ علیہا السلام کی وفات کے بعد پیغمبر صاحب سے بیاہی گئی تھیں۔ اُن سب کو تحریص وترغیب دلانے کے لئے خدا تعالےٰ دو نیکوکار مومنہ عورتوں کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ ایک تو فرعون کی بیوی .... اور دوسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی عصمت کو بدکاری سے محفوظ رکھا۔ تو ہم نے اُس کے پیٹ میں اپنی روح پھونک دی۔ اور اس نے اپنے پروردگار کے کلام اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کر دی۔ (کیوں نہ ہو) وہ ہمارے فرمانبردار بندوں میں سے تھیں۔

یہ ایک آیت ہے۔ جو کہ اسرارِ الٰہی سے بھری ہوئی ہے۔ اور اسی کی تفسیر کی تکمیل کے لئے ہم نے ایک مبسوط اور ضخیم کتاب تیار کی ہے۔ اور یہاں اس کی تفسیر کا مختصر بیان کیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کہ وہ مجھے اس بارے میں کامل توفیق بخشے۔ آمین:۔

دفعہ ۲

واضح ہو کہ اس آیت شریفہ میں اس قدر اسرارِ الٰہی بھرے ہوئے

ہیں۔ جن کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ یہاں صرف ضرورت کے مطابق کچھ تھوڑا سا عرض کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس آیۂ شریفہ میں اجمالی طور پر حضرت مریم علیہا السّلام کی ساری سوانح عمری مختصر اور جامع الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ اور ساتھ ہی کل مومنوں کو تحریص دلاتا ہے۔ کہ وہ بھی مریم علیہا السّلام کی پیروی کریں۔ تاکہ ان پر بھی اللہ تعالےٰ کے انعامات نازل ہوں۔ مومنوں کی تحریص والے فقرے کے علاوہ مریمؑ کی ذات کی بابت اس میں چار باتوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ہے۔ دوسرے فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ہے۔ تیسرے وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ ہے۔ چوتھے وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ط ہے۔ اور ہم سلسلہ وار ہر ایک کا بیان کرتے ہیں۔

وقفہ ۱۳

اوّل اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ہے۔ اس جملے کے امکانی طور پر دو معنے ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ مریمؑ ساری عمر کنواری رہی۔ دوم یہ کہ اس نے اپنے تئیں بدکاری سے بچائے رکھا۔ اور جامع طور پر اس کے معنے یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ اس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ کلام اللہ شریف میں اَحْصَنَ کا لفظ (مجامعت سے مطلق پرہیز اور بدکاری سے پرہیز اور مجامعت جائز سے بہرہ ور ہونے) دونوں کے لیے آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ (ملاحظہ ہو پارہ محصنات کا شروع) (۱) وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط ... الخ

اور پھر ساتھ ہی دوسری آیت شریفہ میں فرماتا ہے:۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ......... الخ

پہلی آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ محصنات عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہاں پر محصنات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دوسروں کے نکاح میں آ گئی ہوں۔ دوسری آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جس آدمی میں محصنات عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو۔ الخ یہاں پر محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ جو کسی کی لونڈیاں نہ ہوں۔ اور نہ کسی کے نکاح میں ہوں۔ خواہ کنواری ہوں خواہ بیوہ۔ بہرحال آیت مذکورہ بالا میں جو احصنت فرجہا کا فقرہ ہے۔ اُس سے صرف اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ مریمؑ نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ اس سے کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔ کہ آیا اُس کا کوئی خاوند بھی تھا۔ یا نہیں۔

دفعہ ۱۴

دوم فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ہے۔ کہ ہم نے (اللہ تعالےٰ نے) اس کے پیٹ میں نفخ روح کیا۔ اس جملے کا مطلب زیادہ تر غور کے قابل ہے۔ کہ آیا نفخِ روح سے کیا مراد ہے۔ اسی آیت سے ملتی جلتی آیت ایک اور مقام پر بھی بیان فرمائی ہے۔ اس میں فَنَفَخْنَا فِيْهِ کی بجائے فَنَفَخْنَا فِيْهَا ہے۔ دیکھو پارہ ۱۷ اقترب للناس سورۃ الانبیا رکوع ۶ کی سولہویں آیت۔ اور وہ یہ ہے۔ والتی احصنت فرجہا فنفخنا فیہا من روحنا وجعلنٰہا وابنہا ایۃ للعٰلمین۔ اس میں یہ لکھا ہے۔ کہ ہم نے (اللہ تعالےٰ نے) مریم میں نفخ

روح کیا ہے پیشتر اس کے کہ ہم نفخ روح کے معنے قرآن شریف کی دیگر آیات سے نکال کر دکھا دیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انہیں آیات میں نفخ روح سے کیا مراد رکھی گئی ہے :۔

سو پہلی آیت میں تو نفخ روح کو کلمات ربی سے اور دوسری میں انہا (اپنے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ تیسرے جملے میں مذکور ہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے۔ کہ الفاظ "کلمات" اور "انہا" اور "روحنا" میں کوئی شدید مماثلت ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح منہ اور ایک تیسرے مقام پر کلمتہ منہ کہکر فرمایا گیا ہے۔ اور ایک مقام پر اکٹھا دونوں کو جمع کر کے بھی فرمایا ہے ملاحظہ ہو آیت ذیل :۔

یااھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القھا الی مریم وروح منہ فاٰمنوا باللہ ورسلہ ولا تقولوا ثلثۃ انتھوا خیرا لکم انما اللہ الٰہ واحد سبحنہ ان یکون لہ ولد لہ ما فی السموت وما فی الارض وکفی باللہ وکیلا

(پارہ ۶ لا یحب اللہ سورۃ النساء رکوع ۲۳ کی آخری آیت مبارک)۔

دفعہ ۱۵

ان تینوں مقاموں پر اللہ تعالےٰ نے دراصل ایک ہی بات بیان فرمائی ہے۔ پہلے مقام پر اعلےٰ درجے کے اجمال کے ساتھ اور دوسرے مقام پر کسی قدر تشریح کے ساتھ اور تیسرے مقام پر پوری تشریح کے ساتھ

بیان فرمایا ہے۔ اور روحنا۔ کلمتہ۔ روح منہ سب مترادف الفاظ معلوم
ہوتے ہیں۔ اور القھا الی مریم اور فنفخنا روحنا مترادف فقرے ہیں
اسی سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ مریم میں نفخ روح بذریعہ القا (الہام) ڈالا گیا
تھا۔ نہ کہ بذریعہ فرزجہ (پچکاری) بلکہ وہ صرف ایک کلام ربانی تھی جو اس پر
نازل کی گئی۔ پھر ان تینوں مقاموں کو یکجائی طور پر ملانے سے پہلی آیت
کے معنے خود بخود کھل جاتے ہیں۔ یہاں کلمہ کی بجائے کلمات کا اظہار ہے
اور صرف کلمات پر ہی اللہ تعالے نے اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے ساتھ
کتبہ کا لفظ بھی بڑھا دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مریم پر جب
الہام نازل ہوا۔ تو اس نے نہ صرف الہام الہی کی تصدیق کی بلکہ اللہ تعالے
کی سابقہ کتابوں کی بھی تصدیق کر دی۔ ہم اس کی تفصیل ایک اگلے مقام
پر کرینگے۔ کہ وہ تصدیق کس طرز پر کی گئی تھی:۔

دفعہ ۱۶

سوم۔ تیسرا جملہ وصدقت بکلمات ربہا وکتبہ کے معنے تو اوپر لکھے جا
چکے ہیں۔ یہاں یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ اس کا چوتھے جملے سے کیا تعلق ہے۔
جس میں اللہ تعالے فرماتا ہے وکانت من القانتین:۔

تیسرے جملے میں تو اللہ تعالے یہ فرماتا ہے۔ کہ اس نے کلام
الہی وکتب سابقہ کی تصدیق کی۔ یعنی اس کلام کی بھی تصدیق فرمائی۔ جو
کتب سابقہ میں درج تھا۔

چوتھے فقرے میں یہ درج ہے کہ وہ بڑی فرماں بردار تھی

تسلسل مضمون کے لحاظ سے اس کی فرماں برداری یہی تھی
کہ اس نے کلام الٰہی کی تصدیق فرمائی۔ نہ صرف قولی طور پر بلکہ فعلی طور پر۔
کیونکہ قانت (تابعدار بندہ) اُس آدمی کو نہیں کہتے۔ جو زبانی جمع خرچ
سے ہی مالک کی تسلی کر دیوے۔ بلکہ اُس تابعدار بندے کو کہتے ہیں۔ جو
اپنے اعمال سے ثابت کرے۔ کہ وہ واقعی طور پر اپنے مالک کا فرماں برادار
ہے:۔

۱۷

چوتھے۔ وکانت من القٰنتین کا جملہ ہے۔ جو کہ ساری آیت کا خلاصہ
ہے۔ جس طرح سے دوسرا جملہ پہلے کا خلاصہ ہے اور تیسرا دوسرے
کا اسی طرح سے چوتھا تیسرے کا یا بالفاظ دیگر ساری آیت کا خلاصہ ہے
اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مریمؑ پر اللہ تعالےٰ کا ایک کلام الہاماً
القا ہوا تھا۔ اور صرف اس وجہ سے القا ہوا تھا۔ کہ وہ اپنے ناموس کی حفاظت
کرتی تھی۔ لیکن جب اُس پر وہ کلام نازل ہو گیا۔ تو پھر اس نے تابعدار
بندوں کی طرح نہ صرف اُسکی کلام کی تصدیق فرمائی۔ بلکہ اُس کے
ساتھ کتب سابقہ کی بھی تصدیق کر دی۔ کیوں نہ ہو۔ بڑی ہی فرماں
دار بندی تھی:۔

نوٹ

اس ساری آیت کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہاں صرف ترجمہ
پر اکتفا کیا گیا ہے:۔

اس لئے اگر ان آیات سے کسی شخص کو حضرت عیسٰے کے بلا باپ پیدا نہ ہونے کے مسئلے کی سمجھ نہ آوے۔ تو وہ گبھراوے نہیں۔ اگلی تفصیل میں سب بھید کھل جاوے گا۔ ممکن ہے کہ محض اس ترجمے سے ہی کئی زیرک لوگ اصلی بات تاڑ گئے ہوں گے۔ لیکن اگلی تفصیل سے سب کو پتہ لگ جاوے گا۔ کہ وہ تصدیق کیا تھی۔ وہ فرماں برداری کیا تھی:۔

دفعہ ۲۸

چوتھی آیت شریفہ جو ساری بات پر روشن کی طرح روشنی ڈالتی ہے۔ وہ پارہ ۱۶ قال الم سورۃ مریم رکوع ۲ کی ساتویں آیت ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ فحملتہُ فانتبذت بہ مکاناً قصیاہ۔ اس کے معنے یہی ہیں (اس بات کو مریمؑ نے اٹھالیا۔ یا یوں کہو کہ اس کا حمل اسے ہوگیا۔ اور وہ حمل لیکر کہیں الگ دور کے مکان ہو بیٹھیں) وہ کیا بات تھی۔ اور اس نے کس طرح اس بات کو اٹھایا۔ اس کا ذکر سمجھنے کے لئے ہمیں اگرچہ قرآن شریف کے متعدد مقامات کو الٹنا پلٹنا پڑتا ہے۔ لیکن ہم اس جگہ مختصر طور پر لکھیں گے۔ اور ہم اس کتاب کے پڑھنے والے سے تاکید کرتے ہیں کہ وہ ساری پچھلی کتاب کے تمام مضمون پر ایک نظر ڈال لیویں)۔ اور اگر اس کے ذہن سے سابقہ مضمون اتر چکا ہے۔ تو اسے اس طرح پڑھ لیویں۔ کہ اچھی طرح یاد ہوجاوے۔ اور نہایت کم ذہن اصحاب کے حق میں بہتر ہوگا۔ کہ وہ تھوڑا تھوڑا کرکے یاد کریں۔ کئی دنوں میں مضمون پر اچھی طرح حاوی ہولیں تب آگے شروع فرمادیں۔ کیونکہ اب اسرار الٰہی کے کھلنے کا مقام ہے

اور ہمارے نمبر کی تیسری آیت کی تفصیل کا یہاں مکمل اندراج ہے۔ ہم ناظرین کی سہولیت کے لئے اس مقام پر سورۃ مریم کے کچھ ٹکڑے کا یہاں اندراج کرتے ہیں۔ جس میں یہ آیت شریفہ آتی ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝

خدا کی قسم میں جب کبھی اس سورۃ شریف کو پڑھتا ہوں تو مجھے رقت کے مارے غشی سی ہو جاتی ہے۔ اور میں تعجب کرتا ہوں۔ کہ جس قوم کے پاس یہ سورت تھی۔ اس پہ اللہ تعالےٰ کا غضب کیوں نازل ہوا۔ اور وہ آج روئے زمین پر اخس ترین قوموں میں سے کیوں ہے:۔

ایک ہندو صاحبان ہی ہیں۔ جو ان سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کے ہاتھوں کی چھوئی ہوئی چیز کا کھانا تو درکنار اپنے پاس رکھنا بھی گوارا نہیں فرماتے۔ اور کتوں کے آگے اسے ڈال دیتے ہیں۔ اگر ان کے پانی کے گھڑے کو باہر سے ایک چھوٹے سے معصوم بچے کا (جو مسلمان کا بچہ ہو) اتفاقاً ہاتھ لگ جاوے۔ تو ان کے خیال میں وہ گھڑا سارے کا سارا ناپاک ہو جاتا ہے۔ لیکن ولایت کے بنے ہوئے

تمام عرقیات و ٹنکچرات غٹا غٹ پی جاتے ہیں۔ گویا مسلمانوں کے سوا دیگر اقوام سے انہیں نفرت نہیں ہے۔

بعض ایسے بھی ہیں۔ جو غیر قوموں کے ساتھ کپڑا چھو لینے سے فی الفور کپڑوں سمیت پانی میں نہانے کے لئے کود پڑتے ہیں۔ خواہ کڑ کڑاتا جاڑا ہو۔ ایسا کرنے میں ان کو نہ نمونیا سے ڈر ہے نہ فالج سے ہراس۔ نہ لقوے کا خوف۔ نہ رعشہ کا فکر۔ لیکن غیر قوموں کے ساتھ لباسی تماس بھی ممنوع ہے۔ اور پھر طرفہ یہ ہے۔ کہ کھانے پینے کے معاملے میں تو نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن فاحشہ زانیہ مثلاً کنچنیوں وغیرہ عورتوں کے ساتھ مقاربت کر کے سوزاک و آتشک خرید لیتے ہیں۔ اور انہیں کوئی مطعون نہیں کرتا۔ اہاہا۔ اہو ہو ہو:۔

بلکہ بعض ان میں سے نیوگ کے بھی حامی ہیں۔ اور کیا معلوم کہ نیوگن تندرست ہو۔ یا بیمار۔ کئی صاحبان ایسی عورتوں سے نیوگ کر کے بھی سوزاک و آتشک خرید لیتے ہیں۔ اور پھر بھی اس سے باز نہیں آتے

الغرض غیر قوموں کی طرف سے مسلمانوں کی کوئی عزت نہیں اور یہ بیچارے سب کی عزت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کا پکا ہوا تو درکنار کئی بیچارے ان کا جوٹھا بھی کھا لیتے ہیں۔ اور اس بے عزتی کے علاوہ تمام جہان کی قوموں سے بڑھکر ان میں فقیروں۔ ناداروں۔ اوباشوں۔ بدمعاشوں۔ جاہلوں۔ بے کاروں۔ مسخروں۔ حاسدوں۔ غافلوں۔ کمزوروں۔ بیماروں اور بے پرواؤں کی سب سے بڑھکر کثرت ہے۔

اور عیسائی صاحبان تو پرانی عیسٰے پرستی کو چھوڑ کر توحید کی طرف مدّت سے آ گئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ پروٹسٹنٹ۔ پریسبیٹیرین۔ کویکر۔ یونیٹیرین وغیرہ کے فرقوں سے ظاہر ہے۔ بلکہ اُن کی دیکھا دیکھی ہندو صاحبان بھی ایک حد تک اس سے متاثر ہو کر توحید کی طرف آ گئے ہیں۔ جیسا کہ آریہ سماج۔ برہمو سماج۔۔۔۔۔۔۔ کے مختلف فرقوں سے ظاہر ہے۔ لیکن مسلمان لوگ توحید سے بیزار ہو ہو کر طرح طرح کی مخفی در مخفی بت پرستی۔ قبر پرستی یا خود ساختہ پیر پرستی کی طرف آ گئے ہیں۔ دیگر اقوام کے مذہبی سنٹر تو ایک یا دو حد تین ہیں۔ اور نام کو مسلمانوں کا قدیمی مذہبی سنٹر بھی ایک ہی ہے یعنی مکہ شریف اور مدینہ شریف صرف زیارت گاہیں ہیں تاکہ شہیدوں کے مزار دیکھ کر اُن کی شہادت کا یقین ہو۔ لیکن عملی طور پر ان کے مذہبی مرکز ہزاروں ہیں۔ اگر عملی طور پر ان ہزاروں مرکزوں کا مجموعی مرکز بالاتفاق مکہ شریف ہی ہو۔ تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ لیکن رونا تو اس بات کا ہے۔ کہ مسلمانوں کے اُن تمام مرکزوں کا باہمی ایسا نفاق ہے۔ گویا اُن کی کتابیں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور اس بات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ مرکزی کتاب یعنی قرآن کریم کی عظمت کسی فرقے کے دل میں بھی نہیں۔ اور اگر کسی فرقے میں قرآن کریم کی عظمت کا خیال ہے بھی۔ تو اس کے مطالعہ میں صرف وہی آیات ہیں۔ جن سے جلی یا خفی طور پر اس کے اپنے خاص فرقے کے مختص اصول اور اس کی مختص

تعلیم کا اظہار ہوتا ہو۔ گویا ایک دوسرے فرقے پر نکتہ زنی کرنے کے لئے اس نے وہ آیات یاد کی ہوئی ہیں۔ حالانکہ انسانی قوائے کی تربیت کے لئے سارے قرآن شریف کا مطالعہ اور عمل بہیئت مجموعی ضروری ہے۔ اور قرآن شریف کے بعض حصوں پر عمل کرنے اور بعض پر عمل نہ کرنے سے جو نتیجہ ملتا ہے۔ اس کا حال منکروں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ بڑے زور شور سے فرماتا ہے۔ کہ ایسا کرنے سے آخرت تو درکنار۔ دنیا میں ہی رسوائی ملتی ہے ملاحظہ ہو آیت ذیل۔ پارہ الم سورۃ البقرہ رکوع ۱۰ آیات ذیل:-

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

(تو کیا کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے۔ تو جو لوگ تم میں سے ایسا کرینگے۔ اس کے سوا اس کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں اُن کی رسوائی ہو۔ اور (آخر کار) قیامت کے دن بڑے ہی سخت عذاب کی طرف لوٹا دیئے جائیں:-

مسلمانوں کی اس زبردست غفلت کا یہ ایک لازمی نتیجہ ہوا ہے کہ اول اول ان میں ہزاروں آدمی اس قسم کے پیدا ہو گئے ہیں۔ جو گناہوں کے کرنے میں گویا ایک حد تک دلیر اور بعد ازاں مجبور ہو گئے ہیں۔ اور اُن میں سے بعضے چاہتے بھی ہیں۔ کہ کاش اُنکو نیک عملوں کے بجالانے کی توفیق ملے۔ لیکن اس بات پر انہیں اقتدار نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں کی تعداد

سینکڑوں تک نہیں۔ بلکہ ہزاروں تک ہے۔ ایسے ہی لوگ بیکس ہیں
اور ان کی آہیں اب آسمان تک پہنچ چکی ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ آسمان
پھٹ جائے ؛

بات دور نکل گئی ہے۔ لیکن ہم اس سورۃ شریف کی تفسیر لکھنے
سے پہلے اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ بعض لوگ اس روشنی
علم و ہنر و فضل و کمال کے زمانے میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بلا باپ
پیدا ہونے کو فخریہ بیان فرمایا کرتے ہیں۔ اور بعض صحیح مسئلے کی اشاعت کو
غیر ضروری خیال فرماتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف میں اس عقیدے
کے لازمی نتیجہ کو ایسے خوفناک نظارے میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس سے
بڑھکر کوئی نظارہ زیادہ خوفناک نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ
وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ
اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝
لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝

(سورۃ مریم پارہ الم ۱۶ رکوع کی آیات ۶ تا آیت ۱۲)

یہ ٹکڑا بھی سورہ مریم کے آخری حصے میں ہے جس میں اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ میں ان غلط عقیدہ رکھنے والوں کو گن
بھی رہا ہوں۔ اور پھر فرمایا۔ کہ ممکن ہے کہ اس غلط عقیدے
کے رکھنے سے آسمان پھٹ جاوے۔ اور زمین شق ہو جائے

اور پہاڑ ریزے ریزے ہو کر گر پڑیں ۔

پھر تعجب ہے کہ بعض اکابران مذہب کمال بے پروائی اور کمال بے باکی اور ناخدا ترسی سے یہ فرماتے چلے جاتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بلا باپ ماننے میں ہرج ہی کیا ہے۔ اور انہیں خبر ہی نہیں کہ اسی عقیدے کو غلط طور پر ماننے سے مسلمانوں میں تاریکی چھا گئی ہے۔ اور ان کی الہامی کتاب کی ترویج و اشاعت کا دروازہ بالکل مسدود ہو کر مسلمان غضب و ادبار کے نیچے آ گئے ہیں۔ اور اب وہم بھی نہیں گزرتا۔ کہ آیا مسلمان کبھی اس تاریکی میں سے نکلیں گے بھی یا نہیں۔ یا اسی میں ہلاک ہو کر دنیا کے صفحے سے معدوم و مفقود ہو جائیں گے ۔

مسلمانوں میں ہزارہا فروعی اختلاف ہوں تو ہوں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا منشا یہ نہیں ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں کسی کا آپس میں باہمی اختلاف ہو۔ کیونکہ یہ وہ عقیدہ ہے۔ جس کے معتقدوں کی گنتی کرنے کا اللہ تعالےٰ نے خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور ان میں سے ایک ایک کی حاضری اور جواب طلبی کا (قیامت کے دن میں) یہاں ذکر ہے۔ اور اس کے علاوہ اس غلط عقیدے کے اثر کا نظارہ ایسا خوفناک فرمایا ہے۔ کہ اس ٹکڑے کے مضمون کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم اس جگہ ناظرین کی توجہ کے کھینچنے کے لئے اُن کی سہولیت کی خاطر گزشتہ آیات کا ترجمہ بھی درج کر دیتے ہیں :۔

ترجمہ ۱۔ اور بعض لوگ قائل ہیں۔ کہ (خدائے) رحمٰن بیٹا رکھتا ہے (اے پیغمبر اُن

سے کہو کہ یہ) تم ایسی بڑی سخت بات (اپنی طرف سے گھڑ کر) لائے جس کی وجہ
سے عجب نہیں ۔ کہ آسمان پھٹ پڑیں کہ لوگوں نے (خدائے) رحمٰن کے لئے بیٹا
قرار دیا ۔ حالانکہ (خدائے) رحمٰن کو شایان ہی نہیں ۔ کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے
جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے ۔ سب ہی تو (قیامت کے دن) (خدا)
رحمٰن کے آگے اس کے غلام بن کر حاضر ہوں گے ۔ خدا نے انکو اپنی قدرت
کے احاطے میں گھیر رکھا ہے ۔ اور ان سب کو گن بھی رکھا ہے ۔ اور یہ سب
قیامت کے دن اکیلے اکیلے اس کی حضور میں داخل ہوں گے ۔ انتہیٰ

اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کے غلط عقیدے کا ذکر سورۃ مریم میں نہ ایک دفعہ بلکہ دو دفعہ فرمایا گیا ہے ۔ ایک تو یہی ٹکڑا ہے ۔ جو اوپر مع ترجمہ درج کیا گیا ہے ۔ اور جو سورت شریفہ کے آخری حصے میں ہے ۔ اور جس کا ذکر سورۃ مریم کے تمام بیان کردہ انبیا کے تذکرے کے بعد کیا گیا ہے ۔ اور دوسرا خاص حضرت مریم علیہا السلام و حضرت عیسٰے علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ ان دوہرے بیان سے دو باتیں صاف طور پر ثابت ہوتی ہیں ۔ ایک یہ ۔ کہ اول تو یہ مسئلہ بڑا ہی ضروری اور اہم مسئلہ ہے اور دوسرے یہ کہ آخری ذکر کا اشارہ محض حضرت عیسٰے علیہ السلام ہی کی ذات پر خاص طور پر چسپاں سمجھنا چاہیئے ۔ نہ کہ کسی اور کی ذات پر ۔ جیسا کہ فرمایا ۔ ذلک عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون ۝ ما کان اللہ ان یتخذ من ولد سبحنہ ، اذا قضی امراً فانما یقول لہ کن فیکون
سورۃ مریم پارہ ۱۶ قال الم رکوع ۲ آیات ۱۹-۲۰ ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے

کہ (اے پیغمبر) یہ ہے عیسیٰ ابن مریم (کی حقیقت) اچھی سچی بات ۔
جس میں لوگ جھگڑا کرتے ہیں ۔ خدا کو شایان نہیں ۔ کہ وہ کسی کو بیٹا
بنائے ۔ وہ پاک (ذات) ہے ۔ جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے ۔ تو
بس اس کو اتنا ہی فرما دیتا ہے ۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتا ہے ۔

الغرض یہ ایک ضمنی بیان تھا ۔ جو اس سورت کے اس ٹکڑے کو
پڑھ کر جس میں حضرت مریم علیہا السلام پر نزول روح ہونے کا ذکر
ہے ۔ دل میں رقت پیدا ہونے کی وجہ سے درج کر دیا گیا ہے ۔ اگر کسی
صاحب کو ناگوار گزرے ۔ تو وہ خاکسار کو معاف فرما دے ۔ اب میں اس
ٹکڑے کی تفسیر شروع کرتا ہوں ۔

دفعہ ۱۹

قبل اس کے کہ میں اُن آیات کا جس میں مریمؑ کا تذکرہ تفصیلی
طور پر درج ہے ۔ ذکر کروں ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ کہ میں اُن آیات
کی تفسیر سناؤں ۔ جس میں اس تذکرے کو اجمالی طور پر فرمایا گیا ہے
اللہ تعالےٰ کی قرآن شریف میں یہ ایک پُر اسرار اور حکمت سے
بھری ہوئی سنت ہے ۔ کہ وہ ایک بات کو پہلے بطورِ تمہید پھر بطورِ
اجمال اور پھر بطورِ تفصیل بیان فرماتا ہے ۔ جیسا کہ تمام کلام اللہ شریف
کے ابتدا میں سورۃ فاتحہ ہے ۔ جس میں تمام اجمالی بیان ہے ۔ اور پھر
سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے ۔ جو کہ سورۃ فاتحہ اور ہر ایک
سورت کی تمہید ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جو اُس نے اپنے کلامِ مقدس

میں ظاہر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل میں پائی جاتی ہے۔ جس کو ہم صحیفۂ فطرت میں جوہر و عرض دونوں میں نہایت وضاحت و صراحت سے دیکھتے ہیں۔ مثلاً مادی چیزوں کے فعل بالیدگی کو دیکھو۔ (ایک بڑے درخت کو لو) کہ اِس وقت اُس میں کس طرح تنا۔ اور ٹہنیاں۔ شاخیں پتے۔ پھول پھل وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن کیا یہ سب چیزیں اُس میں ابتدا ہی سے اسی ہیئتِ موجودہ میں موجود تھیں نہیں ہرگز نہیں) بلکہ ابتدا میں یہ ایک چھوٹا سا بیج تھا۔ جو زمین میں پیوست ہو کر دو حصوں اور دو سے چار حصوں وغیرہ میں پھٹتا گیا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا۔ کہ اس میں ایک نرم پتا لپٹا لپٹایا نکل آیا۔ پھر ہوتے ہوتے اُس کی شاخیں نکلتی آئیں۔ شاخیں بڑھتے بڑھتے ایک موٹا تنا بن گیا۔ اور پھر وقت پر اس میں پھول پھل بھی نکل آئے۔

ایسا ہی کسی کیفیت (عرض) کی بالیدگی کو لو۔ کہ کس طرح چھوٹا بچہ جب کلام کرنا سیکھتا ہے۔ تو حروفِ حلقی میں سے الف یا ہ کی آوازیں نکالتا ہے۔ حروفِ شفتی میں سے صرف ب یا م کی آوازیں نکالنا سیکھتا ہے۔ اور وسطی میں سے صرف چند حروف مثلاً ل۔ ر۔ د کی آوازیں نکالتا ہے۔ اور پھر جوں جوں بڑا ہوتا ہے۔ باقی حروف کی آوازیں نکالنا بھی سیکھ جاتا ہے۔

اسی طرح بچے کے معلومات کا حساب ہے۔ پہلے وہ گھر کی تمام چیزوں سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ پھر محلے کی چیزوں سے۔ اور

پھر سارے شہر کی چیزوں سے :-

یہی حال بچے کی زباندانی سیکھنے کا ہے۔ پہلے پہلے چند حروف ندا کو سیکھتا ہے۔ پھر چند اسماء اور افعال کو۔ صفات اور روابط کا استعمال اس کو بعد میں آتا ہے :-

دفعہ ۳

آج کل کے ماہرینِ طریقۂ تعلیم بچوں کی اس تدریجی لیکن مجموعی بالیدگی۔ ترقی۔ نشوونما سے غافل نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہی سنت کلام اللہ شریف میں برتی ہے۔ سب سے پہلے تمہیدی طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے جو سارے قرآن شریف کی تمہید ہے۔ پھر اس کے بعد سورۂ فاتحہ ہے۔ جو سارے قرآن شریف کا خلاصہ ہے :-

پھر سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقر ہے۔ اور جیساکہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالےٰ کی حمد کے بعد اُس کی چار صفاتِ ثبوتیہ (رب العالمین۔ الرحمن۔ الرحیم۔ مالک یوم الدین) اور اس سے بعد اُس کے حضور میں دعا اور اُس کے پاک بندوں کی معیت اور پلید و گمراہ بندوں سے علیحدگی کا اظہار کرنے کی التجا مانگی گئی ہے۔ اسی طرح سورتِ بقر میں اول تین رکوعوں میں اُن تینوں قسموں کے آدمیوں (منعم علیہ۔ مغضوب۔ اور ضالین) کا تھوڑا تھوڑا وصفی ذکر فرمایا ہے۔ اور پھر چوتھے رکوع میں آدم علیہ السلام کا ذکر شروع کرکے اس میں ملائکہ اور ابلیس کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ جن میں سے آدم تو منعمین میں کے گروہ کا ایک فرد

ہے ۔ ملائکہ ضالین کے فرقہ میں سے ہیں ۔ جو آدم سے برتری کا اظہار کرتے ہیں ۔ لیکن بعد از آں سرِ تسلیم خم کرکے منعم علیہ گروہ میں سے بن جاتے ہیں ۔ اور شیطان فرقۂ مغضوبین میں سے ایک فرد ہے :۔

پھر پانچویں رکوع میں بنی اسرائیل یہودیوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے ۔ جو مغضوب فرقے میں سے ہیں ۔ اور ساتھ ساتھ منعم علیہ گروہ کا بھی ذکر آتا جاتا ہے ۔

چھٹے کے شروع میں بنی اسرائیل عیسائیوں کا جو ضالین میں سے ہیں ۔ اور چھٹے کے اخیر اور ساتویں کے شروع میں یہودیوں اور عیسائیوں کے آباو اجداد کا بہیئتِ مجموعی ذکر فرماتا ہے ۔

اور پھر آٹھویں میں یہودیوں ۔ عیسائیوں صابیوں ۔ اور مومنوں کا بہیئتِ مجموعی ذکر فرماتا ہے ۔ اس کے بعد باقی ماندہ رکوعوں میں بڑھاتے بڑھاتے خاص خاص پیغمبروں اور روح امین کا مختصر سا تذکرہ آتا جاتا ہے جو کہ منعم علیہ گروہ میں سے ہیں ۔ اور ان کے تابعین و منکرین اور ان کے انجاموں کا حال بھی سنا سنا کر اسلام کے تمدن کے آداب سکھاتا ہے ۔ جس میں اسلام کے تمام ارکان کا ذکر ہو جاتا ہے ۔ نماز ۔ روزے حج ۔ صدقہ ۔ زکوٰۃ ۔ احسان اور بیع ربا کے مسائل بھی تمام کے تمام اس سورت میں بیان فرما جاتا ہے ۔ اور ہر ایک عبادت کی تہ میں حقیقت و منشائے ایزدی کو بھی بتا جاتا ہے ۔ جس کے بغیر کوئی عبادت عبادت نہیں کہلا سکتی ۔ مثلاً روزوں کے بیان میں فرماتا ہے :۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ بقر رکوع ۲۳ کی آخری آیت) جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تم ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ گویا روزوں کے احکام کی یہ ایک علّت غائی ہے۔ اسی طرح اس سورت میں نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (رکوع کی آخری آیت) جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تم میں خدا کا شکر کرنے کا کثرت سے چرچا ہونا چاہیئے۔ تا کہ تمہارا ذکر بھی درگاہ ایزدی میں ہوتا رہے۔ اور پھر حج کے بارے میں ضمنی طور پر فرمایا:۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

(رکوع ۲۵ کی دوسری آیت) جس کا خلاصہ یہہ ہے کہ حج کے ساتھ غریب لوگ تجارت کے ذریعے سے روپیہ کما سکتے ہیں۔ اور پھر فرمایا

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

(رکوع ۲۵ کی ساتویں یعنی درمیانی آیت) جس کا خلاصہ یہہ ہے کہ حج سے تم کو تقویٰ کا سبق لینا چاہیئے۔ اور روزِ قیامت کے حشر پر ایمان لانا چاہیئے جیسا کہ تم حج کے روز یہاں لوگوں کا ہجوم اور نفسی نفسی کا شور دیکھتے اور سنتے ہو۔ اور پھر اسی مضمون کو رکوع کے آخر میں دہرایا:۔ (وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ) سب کاموں کا انتہا اللہ پر ہی ہے:۔

دفعہ ۲۱

پھر تمام ظاہری عبادات کا خلاصہ آگے چل کر یوں فرمایا۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَ
الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسم پرستی کے طور پر شریعت کے احکام نہ بجا لاؤ۔ بلکہ خدا پر ایمان رکھو۔ اور اس کی محبت میں خدا کی مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف اور زیادہ تر رحم و احسان کے ساتھ گزارہ کرو۔ اور مصائب کے آنے کے وقت خداوند سے پیار کرنا نہ چھوڑ دو۔ بلکہ بدستور اس کے احکام بجا لاؤ۔ اور ایسے ہی لوگ متقی کہلانے کے مستحق ہیں۔ (سورۃ بقر پارہ ۲ رکوع ۶ کی پہلی آیت)

اور پھر اسی سورت شریف میں بھی مسئلہ زیر بحث کو بھی کافی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا:۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ بَدِيْعُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

پارہ اوّل الم سورۃ بقر رکوع ۱۴ کی چوتھی و پانچویں آیات

وقف ۲۳

گویا جس طرح سورہ فاتحہ سارے قرآن شریف کا لب لباب ہے۔ اسی طرح سورۃ بقر بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ قرآن شریف کا

خلاصہ ہے۔ اور دونوں میں خدا کا ولد (بیٹا) ماننے والوں سے اجتناب کی
ہدایت ہے۔ ہاں سورۃ بقرہ میں تو صاف لکھا ہوا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ میں
اجمال کے ساتھ ایسے لوگوں کو ضالین کا خطاب دیکر ان سے اجتناب کی
دعا مانگنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ)
اور پھر جس طرح سورۃ بقرہ میں بحیثیت مجموعی قرآن کا خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے
اسی طرح باقی تمام سورتوں میں قرآن شریف کا خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے۔
چنانچہ تیسری سورۃ آل عمران میں بھی تقریباً وہ حالات مذکور ہیں۔ جو سورۃ
بقرہ میں ہیں۔ صرف اتنا امتیاز ہے۔ کہ سورۃ بقرہ میں یہودیوں کا ذکر زیادہ
ہے۔ اور سورۃ آل عمران میں عیسائیوں کا۔ چنانچہ مسئلہ زیر بحث کی تفصیل سورۃ
آل عمران میں بہت زیادہ ہے۔ اور یہ وہی بیان ہے۔ جس کو ہم نے
لکھا ہے۔ کہ سورۃ مریم کے ٹکڑے کا اجمالی بیان ہے۔ اور جس کی تشریح
ہم سورۃ مریم کے ٹکڑے کی تشریح سے پہلے کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ
الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ ذٰلِكَ مِنْ أَنْۢبَآءِ
الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ
مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ
وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

دفعہ ۲۳

اور پھر جن اصولوں کے مطابق اللہ تعالےٰ اس ذکر کو مومنوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ اگرچہ کئی ہیں۔ اور ان سب کا ذکر اسی سورت شریف کے عین شروع میں ہی کیا گیا ہے۔ اور جن کے سننے سے مشتاقانِ کلامِ الٰہی کو وجد پر وجد آتے ہیں۔ جیساکہ فرمایا:-

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

(سورۃ آلِ عمران رکوع اول کی پانچویں آیت)

جس کے تذکرے سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی مدنی (مدینہ کی) زندگی کو جس میں آپ ایک زبردست جہاد کے لئے تیار کئے جا رہے تھے۔ ایک اس بچے سے مشابہت دی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے فضل سے ایک رحم میں پرورش پا رہا ہے۔ اور جس کی کامیابی کا وعدہ اللہ تعالےٰ اپنی صفات (عزیز حکیم) سے ظاہر فرما رہا ہے۔ (عزیز غالب کے معنے رکھتا ہے) اور پھر آگے چل کر تمثیلی طور پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادتوں کا ذکر اس غرض سے فرماتا ہے۔ تاکہ پیغمبرِ خدا کو تسلی ہو۔ کہ جسطرح حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے گھروں میں باوجود ناامیدی کے اولاد ہو گئی۔ اور وہ اپنی مرادوں میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح پیغمبرِ خدا بھی ایک نہ ایک دن کفارِ مکہ پر غالب آکر کامیاب ہو جائیگا۔ اللہ تعالےٰ اس تسلی کا ذکر یوں فرماتا ہے اور جو کہ ہماری بیان کردہ آیات کی تیسری

آیت ہے)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ۝

جس کا ترجمہ یہ ہے - اے پیغمبر یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تم کو وحی کے ذریعہ سے پہنچاتے ہیں (ط) اور اے پیغمبر ﷺ نہ تو تم اُس وقت اُن کے پاس (دعویداران سرپرستی مریم کے پاس) موجود تھے جب کہ وہ لوگ اپنے قلم ندی میں ڈال رہے تھے کہ کون ہے جو مریم کا سرپرست بنے - اور نہ تم اُس وقت اُن کے پاس موجود تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ انتہیٰ

دفعہ ۲۴

اس جگہ بعض لوگوں کو دھوکا لگا ہوا ہے کہ گویا خدا تعالےٰ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے موردِ وحی بنانے کا یہہ ایک ثبوت دینا چاہتا ہے کہ چونکہ محمد صاحب کے دہان مبارک سے لوگ سابقہ نبیوں کے اذکار سنتے ہیں۔ حالانکہ حضرت محمد صاحب اُمّی ہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حضرت موردِ وحی الٰہی ہیں جو غیب کی خبریں سناتے ہیں۔ یہہ ثبوت مومنوں کے لئے باعث خوشنودی ہو۔ تو ہو۔ لیکن موجودہ زمانے کے معترضین کی تسلی نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ کئی عیسائی صاحبان نے اپنی مختلف کتابوں میں اس امر کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور اس کا اظہار بڑے فخر سے کیا کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں "کہ مسلمانوں

کا علم کلام کیسا کچا علم ہے۔ بھلا کہیں یہ بھی ممکن ہے۔ کہ جس کے قرب
و جوار میں عیسائی رہتے ہوں۔ یہودی رہتے ہوں۔ اُس کے رشتہ دار
توریت اور انجیل کے فاضل ہوں۔ اور نہ صرف اصلی انجیلوں کا اُسے علم
ہو۔ بلکہ جعلی انجیلوں کا بھی اور اُن کی مختلف تفسیروں اور روایتوں
بھی اُس کو علم ہو۔ اور وہ بھی توریت اور انجیل کے فضائل و اذکار کو سنتا
بھی ہو۔ اور اُس کے کان بھی ہوں (گو پڑھنے والی آنکھیں نہ ہوں) اور
پھر انجیلی یا توریتی خبر کے اندراج یا تذکرے کے ساتھ ہی منادی
کر رہا ہو۔ کہ دیکھو۔ حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کی باتیں میں تم کو سنا
رہا ہوں۔ اور میں اُن کے زمانے میں اُن کے درمیان موجود نہ تھا۔
پس ایمان لاؤ۔ کہ میں صاحبِ وحی ہوں"۔

کیا نرا اس بات کے تذکرے سے وہ شخص اپنے آپ کو
صاحبِ وحی کہلانے کا حقدار ہو سکتا ہے۔ اور کیا اس بات کو اپنے
صاحبِ وحی ہونے کے ثبوت میں پیش کر سکتا ہے۔ جس حال میں
کہ ممکن ہے۔ کہ اُس نے گرد و نواح سے یہ خبریں سن لی ہوں۔

دفعہ ۲۵

یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن کامل طور پر صحیح نہیں
ہے۔ کیونکہ کلام اللہ شریف میں بعض واقعات ایسے بھی درج ہیں۔
جن کا سراغ پرانی کتابوں میں کہیں نہیں ملتا۔ اور نہ صرف اصلی
اور صحیح کتابوں میں ہی نہیں ملتا۔ بلکہ توریت و انجیل شریف کے جعلی

صحیفوں میں بھی اُن کا پتہ نہیں ملتا۔ اور صرف جعلی صحیفوں میں ہی نہیں
ملتا۔ بلکہ قدیم روایتوں میں جو زبان زدِ خلائق ہوا کرتی ہیں۔ اُن میں بھی
نہیں ملتا۔ اس لئے اس پہلو سے پُرانے قصّے بھی ایک حد تک پیغمبر
صاحب حضرت محمد صاحب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بمنزلہ غیب
کے تھے۔ گو من کل الوجوہ غیب نہ مانے جا سکیں۔ بہرحال یہ اعتراض
ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن ہم اُن اعتراض اٹھانے والے عیسائی
صاحبان کی خدمت میں باادب گزارش کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ گو
اس طرزِ استدلال کا بھی ذکر کرتا ہے۔ لیکن اس پر انحصار نہیں
رکھنا چاہتا۔ اور اسی لئے ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ
کے ٹکڑے کے بعد آیت کے اندر ہی وقف ہے۔ جس بات پر اور جس
طرزِ استدلال پر اللہ تعالےٰ انحصار رکھنا چاہتا ہے۔ اور جو اس کا اصلی
مقصود ہے وہ تمثیلی پیشگوئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ
گویا تمثیلی طور پر سمجھا رہا ہے۔ کہ اے محمد اس وقت تو مدینے میں تو
عاجز اور در ماندہ ہے۔ لیکن عنقریب تو مکہ شریف پر قابض ہوگا۔ اور
ملکِ عرب میں سے بت پرستی دور کرے گا۔ اور نہ صرف ملکِ عرب سے
بلکہ تمام دنیا میں سے بت پرستی ہٹانے کا اصلی اور ابتدائی پہلوان تو ہی
کہلائے گا۔ اور یہ خوشخبری قبل از وقت تیرے لئے ایک غیب بات
ہے۔ کیا معترض صاحب کو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحب وحی
ہونے میں اب بھی شک ہے۔ کیا آج کے دن تک مختلف قوموں میں

سے بت پرستی کا استیصال نہیں ہو رہا ہے۔ کیا حضرت محمدؐ صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ پر غلبہ حاصل نہ ہوا۔ کیا وہاں کے بت توڑے نہ گئے۔ اور کیا اُس کی عین حیات میں عرب کا بہت سا حصہ بت پرستی سے پاک نہ ہو گیا۔ اور کیا اس کے خلفائے راشدین کے وقت میں خدائی مشن بند ہو گیا۔ کیا غیر قوموں اور غیر مذہبوں میں خود بخود بت پرستی دور کرنے کی کوششیں پیدا نہ ہو گئیں۔ کیا عیسائی صاحبان کی زبردست مذہبی اصلاح Reformation اسلام کے ظہور سے پیشتر وقوع میں آئی تھی۔ یا بعد میں۔ کیا عیسوی مذہب ظہورِ اسلام کے وقت میں بھی ایسی ترقی اور پاکیزگی پر تھا۔ جیسی پر کہ اب ہے۔ اور کیا مذہبِ عیسوی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی تصویروں کی پوجا نہیں ہوتی تھی۔ اور کیا گناہوں کے معاف کرنے۔ بہشت و دوزخ کے دروازوں کے کھولنے کا ٹھیکہ دار ہونے کا حقدار پوپ کو نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ماننا پڑے گا۔ یہ سب کچھ اسلام کی برکت سے ہوا تھا۔ خواہ براہِ راست خواہ ضمنی طور پر اسلام کی برکت ہی سے فیضیاب ہو کر پروٹسٹنٹ عیسائی صاحبان نے پوپ کی غلامی کے جوئے کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکا تھا۔ اور ہزاروں ہزار عیسائی صاحبان صاف صاف اس کے برخلاف وعظ کرنے کو کھڑے ہو گئے تھے۔ اور خود اپنے لئے حق کی تلاش کرنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ الغرض اسلام

ہی نے ضمنی طور پر عیسائی صاحبان میں ایک زندگی کی روح پھونک
دی تھی۔ اور آج ان کا مذہب اپنے انتہائی مدارج کو پہنچ چکا ہے
اور اس بات کا اظہار کرنا مناسب نہیں ہے۔ کہ فی زمانہ جو شائستگی
عیسائی مذہب میں پائی جاتی ہے۔ اور کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی
اور آج لوگ عیسائی مذہب کی دیکھا دیکھی خود بخود شائستگی کی طرف
دوڑے چلے آرہے ہیں۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام روئے
زمین پر عیسائی صاحبان کے موجودہ پاکیزہ مذہب کی پاکیزگی کا اثر پڑ رہا
ہے۔ اور لوگ توحید کے قائل ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن عیسائی صاحبان
کی مذہبی پاکیزگی کا اصل محرک و مبداء وہی قرآن شریف کی ابتدائی
تعلیم ہے۔ جس کو اللہ تعالے نے جمالی اور جلالی دونوں رنگوں میں
اوّل اوّل کفار مکہ کے سامنے حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک
وجود کی معرفت پیش فرمایا۔ اور پھر عربوں کی معرفت آگے تمام دنیا میں
پھیلایا:۔

وقفہ ۳۶

الغرض تمام قرآن شریف میں (حضرت محمدؐ صاحب کو تمام انبیا
کا بروز ٹھہرا کر) ہر ایک نبی کا اسی قدر حال وحی کے ذریعے سے بتلایا
ہے۔ جس قدر حصہ حضرت محمدؐ صاحب کی بقیہ زندگی میں بطور تمثیل
اور مثال کے پیش کیا جا سکے۔ اور جو تمثیل کے رنگ میں حضرت محمدؐ صاحب
کی اوائل زندگی میں پیشگوئی ٹھہر کر بطور ایک غیب کے ہو۔ پس یہ

غیب حضرت محمدؐ صاحب کے لئے نہ صرف غیب ماضیہ ہے بلکہ غیب مستقبلہ بھی ہے۔ ہم اس جگہ ان تمثیلی پیشینگوئیوں کا تفصیل کے ساتھ تو ذکر نہیں کر سکتے لیکن نمونے کے طور پر تین پیشینگوئیوں کا ذکر کرتے ہیں

اوّل سورت یوسف ساری کی ساری پیشنگوئی ہے۔ جس کے ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ قف اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ق وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

پارہ ۱۲ سورۃ یوسف رکوع کی پہلی تین آیات۔ جن کا ترجمہ یہ ہے

الرٰ۔ یہ سورت کتاب واضح کی چند آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو زبان عربی میں اس لئے اتارا ہے۔ تاکہ تم (اے دنیا کے تمام لوگو) اسے سمجھ سکو (اس میں عربی کی فصاحت اور قادر الکلامی اور بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ جس بات کو دوسری زبانیں ادا نہیں کر سکتیں عربی اسے کر سکتی ہے) وحی کے ذریعے سے یہ سورت بھیجکر تم کو اچھی طرح ایک بیان سناتے ہیں۔ حالانکہ اے پیغمبر اس سے پہلے تم یقیناً غافل تھے :۔

اور پھر آخر میں چل کر فرمایا :۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝

ایک وقت تھا۔ کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا اے ابا جان میں نے گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو خواب میں دیکھا ہے۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ یہہ سب مجھکو سجدہ کر رہے ہیں۔ اور پھر آخر میں چل کر فرمایا۔ جب کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپ سے ہار کر معافی مانگی

قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

حضرت یوسفؑ نے کہا آج تم پر کچھ الزام نہیں میں نے معاف کیا۔ اور خدا بھی تمہارے قصور معاف کرے۔ اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے :۔

اور پھر جب اس کے سب بھائی اور ماں باپ تعظیماً سجدے میں گر پڑے۔ تو حضرت یوسف نے فرمایا :۔

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

اور یوسفؑ نے اپنے خواب کو یاد کر کے اپنے والد سے عرض کیا۔ کہ ابا جان وہ جو میں نے پہلے خواب دیکھا تھا۔ یہہ اس کی تعبیر ہے۔ میرے پروردگار نے آج اس خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور اس کے سوا اس نے مجھ پر اور بھی بڑے بڑے احسان کئے ہیں۔ کہ مجھکو آپ قید خانے سے نکالا۔ اور

باوجودیکہ مجھ میں اور میرے بھائیوں میں شیطان نے ایک طرح کا
فساد ڈلوایا تھا۔ اس کے بعد باہر سے تم سب کو مجھ سے لا ملایا۔ بے شک
میرے پروردگار کو جو کچھ کرنا منظور ہوتا ہے۔ وہ اس کی تدبیر خوب
جانتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک بات سے واقف اور حکمت والا ہے۔ پھر حضرت
یوسف علیہ السلام نے دعا کی۔ کہ اے میرے پروردگار تو نے اپنی
مہربانی سے مجھکو حکومت میں سے بھی حصہ دیا۔ اور مجھکو خوابوں کی
تعبیر کرنی بھی سکھائی۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے دنیا
اور آخرت دونوں میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ تو اب مجھکو اپنی فرماں
برداری کی حالت میں دنیا سے اٹھائے۔ اور مجھکو نیک بندوں میں
لے جا داخل کر :-

اور پھر ساتھ ہی فرمایا :-

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ
وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ

یہ آخری آیات لفظاً و معناً اسی قسم کی آیات ہیں۔ جو سورۃ آلِ
عمران میں اللہ تعالےٰ نے ولادتِ مسیح علیہ السلام و ولادتِ یحییٰ علیہ
السلام کے بیان کرنے کے ضمن میں سرورِ کائنات جناب محمدؐ صاحب کو بطور
تمثیلی پیشینگوئی کے غیب کے لفظ سے تعبیر کر کے فرمائی ہیں۔ چنانچہ
حضرت محمدؐ صاحب پر جب یہ سورت شریف اتری تھی۔ تو آپ بالکل
بیکسی کے عالم میں تھے۔ اور ابھی مکے شریف میں ہی تھے۔ کہ آپ نے

کفار کے سامنے اپنی مشابہت یوسفؑ کے ساتھ بیان بھی کر دی۔ اور بتلا دیا کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسفؑ کو اُس کے بھائیوں پر غلبہ بخشا اِسی طرح اللہ تعالےٰ مجھے بھی۔ (اے کفارِ مکہ) تم پر غلبہ بخشے گا۔ اور جس طرح اس کو حکومت پر سرفراز فرمایا۔ اِسی طرح مجھے بھی حکومت دے گا۔ اور نہ صرف حکومت دے گا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ آپ کو ایک عظیم خلق والا آدمی بھی بنائے گا:۔

چنانچہ یہ پیشینگوئی لفظ بلفظ پوری ہوئی۔ کفار کے ڈر سے پہلے تو وہ مدینے کی طرف بھاگ گئے۔ اور رستے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جو تین دن کنوئیں میں رہے تھے۔ حضرت محمد صاحب بھی غار ثور میں تین دن رہے تھے۔ اور آخرکار انہوں نے مکہ حاصل کر کے اپنے تمام برادری کے بھائیوں پر (یعنی کفارِ مکہ پر) غلبہ حاصل کر لیا۔ اور پھر آپ نے سب لوگوں کے وہ قصور معاف کر دیئے۔ جو فتح مکہ سے قبل لوگوں نے کچھ تو مدینے میں جا کر آپ کو تکلیفیں دی تھیں۔ اور کچھ اوائل ایام میں یعنی ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں ہی آپ کو ان کے ہاتھوں سے اذیتیں پہنچی تھیں۔ اور اس موقع پر آپ نے ٹھیک وُہی آیات پڑھیں۔ جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف کرتے وقت پڑھی تھیں:۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

دفعہ ۳۷

= دوسری پیشینگوئی جو بڑی صفائی سے تمثیلی پیشینگوئی ہونے کا دعوٰے

کرتی ہے۔ وہ سورۃ ہود کی اندازی پیشینگوئی ہے۔ جس کو حضرت نوح علیہ السلام کا سارا قصہ اور اس کی قوم کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالے نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

(سورۃ ھود پارہ ۱۲) رکوع کی آخری آیت۔ جس کا ترجمہ یہہ ہے کہ اے پیغمبر یہہ غیب کی خبریں ہیں۔ جن کو وحی کے ذریعے سے ہم تم کو پہنچاتے ہیں۔ اس ابات کے نازل ہونے سے پہلے نہ تو تم ہی اس بات کو جانتے تھے۔ اور نہ تمہاری قوم کے لوگ۔ پس تم صبر کرو۔ بیشک انجام کار پرہیزگاروں کی (ہی فتح) ہے:۔

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے سے واقعات خود حضرت محمدؐ صاحب کی زندگی میں بھی واقع ہونیوالے تھے تب ہی تو خدا نے فرمایا۔ کہ نہ تم کو یہ واقعہ یاد ہے۔ نہ تمہاری قوم کو۔ ذرا صبر کرو۔ اور سب باتیں کھل جائیں گی۔ نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی یہی بدلہ ملے گا۔ فاصبر کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے یہہ بیان نہیں کر رہا ہے۔ کہ قوم کا ہر ایک فرد اس قصے سے ناواقف ہے۔ بلکہ یہہ بیان کر رہا ہے۔ کہ قوم کا ہر ایک فرد اس بات سے محض ناواقف ہے۔ کہ یہاں بھی عنقریب وہی رنگ جمنے والا ہے۔ جو حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میں جما تھا۔ اور پھر اللہ تعالی

کا یہ بھی منشا ہے۔ کہ جس طرح کافروں کو دنیا میں عذاب ملنے والا ہے۔ اور مومنوں کو باغات و نہریں ملنے والی ہیں۔ اسی طرح قیامت میں بھی کافروں کو عذاب ہوگا۔ اور مومنوں کو باغات اور نہریں ملیں گی۔ پس قیامت کا آنا حق ہے۔

دفعہ ۲۸

ہم نے نمونے کے طور پر اس جگہ صرف دو پیشینگوئیوں کا ذکر کیا ہے تیسری کا بیان ایک خاص موقعہ پر کیا جائے گا (دیکھو دفعہ ۳۳ کا آخری حصہ) اور اگر زیادہ تفصیل سے لکھا جاوے اور غور سے دیکھا جاوے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ کلام اللہ شریف کی تمام آیات میں یہی انداز ہے۔ اور جابجا ان میں پیغمبر خدا کی کامیابی اور کفار پر غلبہ حاصل کرنے کی قبل از وقت پیشینگوئیاں درج کی گئی ہیں۔ اور اس ضمن میں ان تمام ضروری مسائل کا بھی ذکر ہے جو جنگ کرنے کی اثناء میں اور فتح حاصل کرنے کے بعد پیش آسکتے ہیں اور یہ مسائل بھی سب کے سب قبل از وقت بتائے گئے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ ایک بڑا زبردست معجزہ ہے۔ جس کو گواہی کے طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھا اور مثال کے طور پر ان کو یہ معجزہ قیامت کے عذاب و ثواب کا قائل کرا گیا۔ اور یہی وجہ ہوئی۔ کہ جس قدر کامیابی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں ہوئی۔ اتنی کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوئی۔ چنانچہ کافر لوگ جب مسلمان ہوتے تھے۔ تو بے ساختہ بول اٹھتے تھے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود

نہیں ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمدؐ اسی خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ یعنی وہ مجبوری کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تھے۔ بلکہ گواہی کے طور پر وہ اپنا مسلمان ہونا ظاہر فرماتے تھے۔

اور اس کے علاوہ ایسی بات یعنی اعجازی پیشینگوئیوں کا گواہ ہونے کی طفیل تقریباً تمام ملکِ عرب بت پرستی سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو گیا

دفعہ ۱۲

آجکل غیر قوم کے لوگ خصوصاً عیسائی صاحبان قرآن کریم کی اس فضیلت کے اور اس معجزے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ الٹا قرآن شریف کی تعلیم پر یہی اعتراض کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں جہاد کی تعلیم ہی کیوں ہے۔ اس اعتراض سے ان کی یہ غرض نہیں ہے۔ کہ وہ گویا نفسِ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک نہ ایک رنگ میں جہاد تو سب قوموں میں ہوتا آیا ہے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی پاک کلام میں بھی فرمایا ہے۔

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

(پارۂ تلک الرسل سورۃ البقر رکوع ۳۲ کی تیسری آیت۔ جس ترجمہ یہ ہے پھر ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے دشمنوں کو بھگا دیا۔ اور جالوت کو داؤدؑ نے قتل کیا۔ اور اس کو خدا نے سلطنت دی اور عقل انتظامی عطا فرمائی۔ اور جو علم و ہنر اس کی مرضی میں آیا اس کو سکھلایا۔ اور اگر

اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کے ذریعے سے بعض کو ہٹاتا نہ رہے۔ تو
ملک میں فساد پڑ جائے۔ لیکن اللہ تعالےٰ دنیا جہان کے لوگوں پر
بڑا مہربان ہے) مخالف لوگ بھی اس کی عدم ضرورت کے حامی
نہیں ہیں۔ موقع بہ موقع سب لوگ اس کو برتتے ہیں یا برتنے کو جائز
سمجھتے ہیں۔ اور عیسائی صاحبان اس بات کے قائل بھی ہیں۔ جیسا کہ
قرآن شریف نے مندرجہ بالا فقرے سے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ گذشتہ میں
اکثر پیغمبروں نے جہاد بھی کئے۔ اور ضرورتِ حفاظت کی بنا پر کئے۔ لیکن
عیسائی صاحبان کے اعتراضوں کا مدعا یہ ہے۔ کہ جہاد تو انتظام
ملک کی حفاظت کے لئے ایک ہتھیار ہے۔ اور اس کو سب لوگ
خود بخود خدا کی تلقین کے بغیر ہی ضرورت کے موقع پر استعمال
کر لیا کرتے ہیں۔ اگر محمدؐ صاحب نے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کر کے
ان پر غلبہ حاصل کر بھی لیا۔ اور پیش از وقت ہی (تمثیلی رنگ میں یا
مقصودی رنگ میں) کفار کے روبرو پیش کرنے کے باوجود اُن پر
غلبہ بھی پا لیا۔ تو اس سے آپ کی نبوت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ
دنیا کے تمام نامور فاتحوں نے نہ صرف طرح طرح کے حیلوں سے
فتوحاتِ عظیمہ حاصل کی ہیں۔ بلکہ کئی ایک نے قبل از وقت محض
قیاس کی بنا پر اپنی فتوحات کی پیشینگوئیاں بھی کی ہیں۔ اور دلیری بڑھانے
کے لحاظ سے انہوں نے ایسا کیا ہے۔ گویا پیشینگوئی کرنا بھی ایک قسم کا فتح حاصل
کرنے کا گُر ہے۔ اور یہ بھی ایک حکمتِ عملی اور پالیسی ہے۔ اور ان میں

سے کئی صاحبدل نامور بزرگوں نے اُن لڑائیوں میں اعلےٰ درجے کے
اخلاقی جوہر بھی دکھائے ہیں۔ جیسا کہ محمدؐ صاحب کی طرف منسوب کیئے
گئے ہیں۔ کہ اُن کے جہاد میں تمام لڑائیاں اندفاعی تھیں۔ یعنی مدافعت
کے طور پر تھیں نہ کہ مزاحمت کے طور پر اور اُن کے جہاد میں عورتوں
بچوں۔ بیماروں۔ کمزوروں۔ نامردوں۔ بوڑھوں اور ناداروں
کو امان ملتی تھی۔ اور مفتوح دشمن پر مہربانی کی جاتی تھی۔ لیکن
وہ (یہ کہتے ہیں کہ) ان تمام باتوں کے باوجود بھی آپ کا نبی اور من
جانب اللہ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور اس بارے میں عیسائی
صاحبان یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ مسلمان لوگ جو کفار پر حضرت محمدؐ صاحب
کا غلبہ حاصل کرنے کی بنا پر حضرت محمدؐ صاحب (صلے اللہ علیہ وسلم)
کو مثیل موسیٰ ٹھہرا کر آپکو اس پیشینگوئی کا مورد بناتے ہیں جس میں
لکھا ہے "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے
بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف
کان دھریو" (استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵) اور پھر ساتھ ہی آگے چلکر
فرمایا "اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں
ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔
اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُن سے فرماؤں گا
وہ سب اُن سے کہے گا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں
وہ میرا نام لیکے کہیگا۔ نہ سنیگا۔ تو میں اُس کا حساب اس سے لونگا"

(استثنا باب ۱۸ آیات ۱۸ و ۱۹) اس کے مطابق بھی جو صاف طور پر
حضرت محمدؐ صاحب پر ہی چسپاں ہوتی نظر آتی ہے۔ حضرت محمدؐ صاحب مثیل موسیٰ
نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرعون پر فتح پائی تھی۔ وہ جہاد کے رنگ
میں نہ پائی تھی۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے بھاگ گئے تھے۔
ہاں خدا تعالےٰ نے آپ اپنے جلال سے فرعون اور اس کی امت کو دریا
میں غرق کر دیا تھا۔ پس حضرت محمدؐ صاحب صرف اُس صورت میں مثیل موسیٰ
ہو سکتے تھے۔ جبکہ وہ جہاد کے لئے تلوار نہ اٹھاتے۔ پس آپ کا تلوار
اٹھانا کسی گزشتہ پیشینگوئی کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ الحرب کے طریقوں
میں سے ایک طریقہ ہے۔ اور جس کو تمام بادشاہ لوگ برتا کرتے ہیں۔
اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہم اس کے شافی جوابات لکھتے ہیں :-

دفعہ ۳ جواب اوّل

سو واضح ہو کہ توریت شریف میں اور انجیل شریف میں ایک
بڑی زبردست پیشینگوئی ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے
نبی کو بھیجے گا۔ جو آکر نہ صرف تلوار اٹھائے گا۔ بلکہ تلوار کے ذریعہ وہ باطل
کو ذبح کرتے ہیں کامیاب بھی ہو گا۔ یہ پیشینگوئی آج کے دن تک اناجیل
میں بھی بڑے زور شور سے درج ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

پھر وہ لوگوں کو یہہ تمثیل کہنے لگا۔ ایک گھر کا مالک تھا جس نے
انگور کا باغ لگایا۔ اور اُس کے چاروں طرف احاطہ باندھا۔ اُس میں
حوض کھدوا۔ اور برج بنایا۔ اور اُسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دیکر پردیس

چلا گیا۔ اور جب پھل کا موسم قریب آیا۔ تو اس نے نوکر کو بھیجا۔ تاکہ وہ باغبانوں سے پھل میں سے کچھ لے آوے۔ پر انہوں نے اُسے پکڑ کر پیٹا۔ اور خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ اور پھر اُس نے ایک نوکر کو اُن کے پاس بھیجا۔ اور انہوں نے اُسے سنگسار کر کے اُس کا سر پھوڑا۔ اور اسے بےعزت کر کے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ پھر اُس نے تیسرے کو بھیجا۔ پر انہوں نے اُس کو بھی گھائل کر کے نکال دیا۔ اور پھر ایک نوکر کو بھیجا۔ اور انہوں نے اُسے مار ڈالا۔ اور بہت سے اوروں کو بھیجا۔ اِن میں سے بعضوں کو پیٹا اور بعضوں کو مار ڈالا۔ تب باغ کے مالک نے کہا کیا کروں۔ میں اپنے پیارے بیٹے کو بھیجوں گا۔ شاید اُسے دیکھ کر دب جائیں۔ پھر باغبانوں نے اسے دیکھ کر آپس میں صلاح کی یہی وارث ہے۔ آؤ اسے مار ڈالیں۔ تو میراث ہماری ہو گی۔ سو اُسے پکڑ کے اور باغ کے باہر نکال کر قتل کیا۔ پس جب باغ کا مالک آویگا۔ تو باغبانوں سے کیا کرے گا۔ وے اُسے بولے ان شریروں کو بری طرح ہلاک کریگا۔ اور باغ اور باغبانوں کے سپرد کرے گا۔ جو اُس کو پھل ان کے موسموں میں دینگے۔ یسوع نے انہیں کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا۔ کہ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کا سرا ہوا یہ خداوند سے ہوا۔ اور ہماری نظروں میں عجیب ہے۔ ہر ایک جو اس پتھر پر گرے گا۔ چور چور ہو جاوے گا۔ اور جس پر وہ گرے۔ اُسے پیس ڈالے گا۔ اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں۔ کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لیجائیگی۔ اور ایک قوم کو جو اُس کے پھل لاوے

دیجاویگی۔ انہوں نے یہ سن کے کہا۔ ایسا نہ ہووے۔ اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے یہ تمثیلیں سنیں۔ تو سمجھ گئے کہ ہمارے ہی حق میں یہ کہتا ہے۔ اور اُس کے پکڑنے کا قصد کیا۔ پر لوگوں سے ڈرے کیونکہ وہ اُسے نبی جانتے تھے (متی باب ۲۱ آیات ۳۳ تا ۴۶۔ مرقس باب ۱۲ آیات ۱ تا ۱۲ لوقا باب ۲۰ آیات ۹ تا ۱۹)

دفعہ ۳۱

۱۔ اس زبردست پیشینگوئی نما تمثیل سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اپنے آپ سے پہلے آنے والے انبیا کو گھر کے مالک کے نوکروں سے تشبیہہ دی ہے۔ جن میں سے بہت سے ناکام پھر گئے۔ اور بہت سے نہ صرف قتل ہوئے۔ بلکہ بہت نے دکھ سہے۔ اور اپنے آپ کو مالک کے بیٹے سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ بیٹے کو بھی لوگ اپنی طرف سے قتل کر دینگے۔ تب خدا تعالےٰ جو گھر کا مالک ہے۔ وہ آپ دنیا میں تشریف فرما ہوگا اب مالک کی شباہت کی تعیین کرنا ہمارے ناظرین کی سمجھ پر موقوف ہے۔ !!!۔ !!!۔ !!!

بعض عیسائی صاحبان گھر کے مالک کے آنے کی پیشینگوئی کو بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم اُن عیسائی صاحبان سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا حضرت عیسٰے علیہ السلام نے کبھی تلوار کا استعمال کیا بھی تھا۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ صلیب کے خوف

پر آپ نے اپنے شاگردوں کو تاکید کی تھی۔ کہ تلواریں خریدیں۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ (لوقا باب ۲۲ آیات ۳۶ و ۳۷) اُس نے (حضرت مسیح علیہ السلام نے) اُن سے (شاگردوں سے) کہا۔ مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو۔ وہ اسے لے۔ اور اسی طرح جھولی بھی۔ اور جس کے پاس نہ ہو۔ وہ اپنی پوشاک بیچکر تلوار خریدے۔ کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ یہہ جو لکھا ہے۔ کہ وہ بدکاروں میں سے گنا گیا۔ (یسعیاہ ۵۳-۱۲) اس کا میرے حق میں پورا ہونا ضرور ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ مجھ سے نسبت رکھتا ہے۔ وہ پورا ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اے خداوند۔ دیکھ۔ یہاں دو تلواریں ہیں۔ اس نے ان سے کہا۔ بہت ہیں۔ انتہی۔

لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا آپ نے تلوار کا استعمال کبھی کیا بھی تھا۔ جواب یہی ملے گا۔ ہرگز نہیں۔ اس بات کا بڑا ثبوت کہ آپ نے اپنے شاگردوں کو تلوار کے استعمال سے منع کر دیا۔ حالانکہ وہ شاگرد تلوار چلانے کے بڑے خواہشمند تھے۔ یہہ ہے۔ کہ واقعہ صلیب کے وقت یعنی جب آپ کو یہودیوں نے پکڑا۔ اور آپ کو صلیب دینے اور قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ تو (شاگردوں نے تلوار چلانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکم طلب کیا۔ تو آپ نے اُن کو منع کر دیا۔ جیسا کہ لکھا ہے

جب اس کے ساتھیوں نے وہ جو ہونے والا تھا۔ دیکھا تو اسے کہا۔ اے خداوند کیا ہم تلوار چلا دیں۔ اور شمعون پطرس نے تلوار جو اس کے پاس تھی کھینچی۔ اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا دی

اور اُس کا دھنا کان اُڑا دیا۔ اور اس نوکر کا نام ملکوس تھا۔ پر یسوع نے کہا۔ یہاں تک رہنے دو۔ اور اس کے کان کو چھو کر اُسے چنگا کیا۔ تب یسوع نے پطرس سے کہا۔ اپنی تلوار میان میں کر۔ کیونکہ سب جو تلوار کھینچتے ہیں۔ تلوار ہی سے ہلاک کئے جائیں گے۔ یا کیا تو نہیں جانتا۔ کہ میں ابھی اپنے باپ سے مانگ سکتا اور وہ فرشتوں کی بارہ فوجوں سے زیادہ میرے پاس حاضر کر دے گا۔ پر نوشتے کیونکر پورے ہوتے۔ کیونکہ یوہیں ہونا ضرور ہے۔ کیا وہ پیالہ جو باپ نے مجھ کو دیا نہ پیوں"۔ (متی باب ۲۶ آیات ۵۱ تا ۵۴۔ مرقس باب ۱۴ آیات ۴۷ تا ۴۸ لوقا باب ۲۲ آیات ۴۹ تا ۵۲ یوحنا باب ۱۸ آیات ۱۰ تا ۱۱)

اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ انجیل شریف کی یہ پیشنگوئی آپ کے ہاتھ پر پوری نہ ہونے والی نہیں تھی۔ بلکہ آپ کے بعد پورے ہونے والی تھی:-

چنانچہ کلام اللہ شریف میں بھی اِسی پیشینگوئی کی طرف اشارہ کر کے بڑے زور شور سے فرمایا گیا ہے:-

اِنَّ اللہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

پارہ ۱۱ سورۃ توبہ رکوع ۲ کی پہلی آیت جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ نے

مومنان (عرب) سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس وعدے پر
خرید لئے ہیں۔ کہ ان کے بدلے اُن کو جنت دے گا۔ یہہ لوگ جان و
مال کی پروا نہ کر کے اللہ کے رستے میں لڑتے ہیں۔ اور لڑتے ہیں تو
دشمنوں کو مارتے ہیں۔ اور آپ بھی مارے جاتے ہیں۔ یہہ خدا کا پکا وعدہ
ہے۔ اور یہ وعدہ توراۃ اور انجیل اور قرآن سب میں لکھا ہوا موجود
ہے۔ اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اے
مومنان (عرب) تم اس سودے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے۔
خوشیاں مناؤ۔ اور یہ معاملہ جو تمنے خدا کے ساتھ کیا ہے۔ اس میں تمہاری
بڑی کامیابی ہے:-

اور پھر یہی نہیں بلکہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد
صاحب کے وجود کو تمثیلی طور پر اپناہی وجود ٹھہرایا ہے۔ جیساکہ انجیل
کی پیشینگوئی میں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ (باغبانوں کو مالک آپ ہلاک
کرے گا) اور قرآن شریف میں اس کا ذکر یوں کیا ہے:-

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

سورۃ انفال پارہ ۹ رکوع ۲ کی چھٹی آیت۔ جس کا خلاصہ مطلب یہہ ہے۔ کہ
اے پیغمبر تو نے جو جنگ بدر میں تیر مارے (یا ریت کی مٹھی پھینک کر کافروں
کو ہلاک کیا ہے۔ یہ تو نے تیر نہیں مارے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے آپ مارے
ہیں:-

نوٹ:- انجیل شریف کی اس تمثیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ

نوکروں کا بھیجنا۔ بیٹے کا بھیجنا۔ خدا کا آپ تشریف لانا یہ سب محض
استعارے اور تمثیلیں ہیں۔ اور اسی قیاس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام
جو انجیل مقدس میں خدا کا بیٹا۔ خدا کا اکلوتا بیٹا۔ خدا کا پیارا بیٹا کرکے
پکارے گئے ہیں۔ تو بعض استعارے کے طور پر نہ کہ حقیقی طور
پر۔ اور اس کے معنے صرف خدا کا پیارا لگے ہیں۔ نہ کہ کچھ اور۔ اور
اسی قیاس پر مسلمانوں کے بعض صوفی صاحبان بھی اس دھوکے میں
ہیں کہ گویا سچ مچ حضرت محمد صاحب نعوذ باللہ خدا ہی تھے۔ اور جو وہ آیت
وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کی تفسیر کرتے وقت احمد اور
احد کو ایک سمجھنے کا وعظ فرمایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے
اور ایسی ہی غلط ہے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچ مچ جسمانی
یا روحانی طور پر خدا کا بیٹا سمجھنا۔ ہاں انجیل شریف میں صرف تمثیلی
طور پر حضرت عیسے علیہ السلام کو بیٹا[۱] سمجھنے کا جواز رکھا گیا ہے۔

اور پھر اس پیشینگوئی کی شان دیکھئے۔ کہ قرآن شریف کے
نازل ہونے کے بعد بھی اس کا عملدرآمد مسلمانوں میں ہوتا رہا۔ اور نہ
صرف مسلمانوں میں ہوتا رہا۔ بلکہ غیر قوموں میں بھی ہوتا رہا۔ چنانچہ اول
تو عیسائی صاحبان ہی میں (The Reformation) کے وقت وہ خدائی
تلوار برتی گئی۔

[۱] ابن اللہ کی اصطلاح انجیل شریف میں محض حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے لیے ہی مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ کل نیکبختوں کے لئے یہ اصطلاح

مقرر ہے۔ اور اس اصطلاح کے اندر ایک عجیب راز ہے۔ جیسا کہ انجیل شریف میں
لکھا بھی ہے "تُو زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو۔ کیونکہ تمہارا ایک ہی باپ ہے۔
جو آسمان پر ہے" اور اس سے پہلے فرمایا "پر تم ربی مت کہلاؤ۔ کیونکہ تمہارا ایک
ہادی ہے۔ یعنی مسیح اور تم سب بھائی ہو" (متی باب ۲۳ آیات ۹ و ۸)
اس حقیقت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیٹے کی تمثیلی پیشینگوئی کا مصداق
بننے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس قدر اہتمام تھا۔ کہ انہوں نے اپنے
کل مریدین کو بھی ابن اللہ کی اصطلاح برتنے کا حکم فرما دیا تھا۔ اور قرآن شریف
نے بھی عیسائیوں کی اس اصطلاح کا ذکر نقل کے طور پر فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف
اہل کتاب کا قول نقل بھی کرتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ
وَأَحِبَّاؤُهُ ط پارہ ۶ رکوع ۷ کی ساتویں آیت۔ لیکن قرآن شریف نے ابن اللہ کے
اصلی معنے بھی یہاں بتا دیئے ہیں۔ جیسا کہ (احباءہٗ) سے ظاہر ہے۔ یعنے
حبیب اللہ۔ اور پھر اللہ تعالےٰ نے عام طور پر ابن اللہ کی اصطلاح کی تردید
یا نہی بھی بشر کے لفظ سے کر دی ہے۔ جیسا کہ ساتھ ہی اسی آیت میں فرمایا
اور ساتھ ہی دلیل بھی بیان فرما دی۔ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر
ممن خلق ؕ۔ اور اس نئے اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ
مسلمانوں کو بھی ابن نامی سے اپنے آپ کو نامزد کرنا جائز ٹھیراتا ہے۔
یا ایسا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ حاشا وکلا۔ وہ تو اسی آیت شریف میں اس کی
تردید فرماتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک مقام پر بڑے زور شور سے فرماتا ہے
وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ

قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ رکوع ۵ کی پہلی دو آیات جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ عیسےٰ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ لگے ان ہی کافروں کی سی باتیں بنانے جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ خدا ان کو قتل و غارت کرے۔ دیکھو تو کدھر شیطان کے بھکائے ہوئے بھٹکے چلے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور مشائخوں اور مریمؑ کے بیٹے مسیح کو خدا بنا کھڑا کیا۔ حالانکہ ہمارے ہاں سے ان کو یہی حکم دیا گیا تھا۔ کہ ایک ہی خدا کی عبادت کرتے رہنا۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

جس [illegible] اللہ تعالےٰ کی توحید منوانے کے لئے سب سے پہلے حضرت محمدؐ صاحب نے [illegible] ہتھیار استعمال کیا تھا۔ اور استعمال کرنا جائز رکھا تھا عیسائی صاحبان ہیں انہیں بم کے گولے کی طرح پھٹ کر خود بخود چل پڑی۔ اور ہزارہا عیسائیوں کو اپنی آگ میں بھسم کر ڈالا۔ یعنی ہزاروں ہزار پروٹسٹنٹ رومن کیتھولک کے ہاتھ سے اور ہزارہا رومن کیتھولک پروٹسٹنٹ کے ہاتھ سے محض عقیدے کی بنا پر۔ اور اس طرح عیسائی عیسائیوں [illegible] کمال بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ قتل

ہوئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ان کے قتل ہونے کی پیشینگوئی بھی درج ہے۔ جہاں فرمایا اللہ تعالےٰ نے قاتلہم اللہ انّیٰ یؤفکون

شکر کا مقام ہے کہ پروٹسٹنٹ عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ان معنوں میں ابن اللہ نہیں سمجھتے۔ جن معنوں کو اڑانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے دنیا میں حضرت محمد صاحب کو قرآن دیکر بھیجا تھا۔ پرانے زمانے کے عیسائی صاحبان حضرت مریم علیہا السّلام اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی تصویریں بنا کر ان کو پوجا بھی کرتے تھے۔ خصوصاً ملک عرب کے عیسائی ؛۔

اس مقام پر بعض عیسائی صاحبان جب دیکھتے ہیں۔ کہ یہ پیشینگوئی حضرت محمدؐ صاحب کے ہاتھ پر پوری ہوئی۔ تو حضرت محمدؐ صاحب کی نبوت کا انکار کرکے اس پیشینگوئی کے بارے میں ایک اور ہی عذر کھڑا کر دیتے ہیں۔ یعنی اس پیشینگوئی کے معنے ہی انہوں نے بدل دیئے ہیں۔ اور وہ تلوار سے مراد روحانی تلوار لیتے ہیں۔ اور اس بارہ میں انجیل شریف کا وہ مقام بطور سند پیش کرتے ہیں جہاں لکھا ہے "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ اور آدمی کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کرنے آیا ہوں۔ اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔ جو کوئی ماں یا باپ کو مجھ سے زیادہ چاہتا ہے میرے لائق نہیں اور جو کوئی بیٹے یا

بیٹی کو مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ میرے لائق نہیں ہے۔ اور جو کوئی اپنی صلیب اٹھا کے میرے پیچھے نہیں آتا۔ میرے لائق نہیں ہے اور جو کوئی اپنی جان کو بچاتا ہے۔ اُسے کھوئے گا۔ جو کوئی میرے واسطے اپنی جان کھوئے گا۔ اُسے پائے گا"...... اور کہتے ہیں کہ اس جگہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے تلوار چلانے کا مطلب خود ہی سمجھا دیا ہے کہ رشتہ داروں کی محبت کو میری محبت پر قربان کر دینا چاہیئے۔ کلام اللہ شریف میں بھی ایک مقام پر ایسا ہی لکھا ہے۔ لیکن وہاں اس حکم کو تلوار چلانے کے الفاظ میں بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ یوں ہی بتایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

سورۃ التوبہ پارہ ۱۰ رکوع ۱۰ آخری دو آیات جن کا ترجمہ یہ ہے۔ اے مومنو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں۔ تو ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ اور جو تم میں سے ایسے باپ بھائیوں کے ساتھ دوستی کا برتاؤ رکھے گا۔ تو یہی لوگ ہیں۔ جو خدا کے نزدیک نافرمان ٹھہریں۔ اے نبی مومنوں کو سمجھا دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے

بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم نے کمائے ہیں۔ اور سوداگری جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو۔ اور مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے۔ اگر یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے تمکو زیادہ عزیز ہوں تو ذرا صبر کرو۔ یہانتک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے۔ وہ (تمہارے سامنے) لا موجود کرے۔ اور اللہ ان لوگوں کو (جو اُس کے حکم سے) سرتابی کریں۔ ہدایت نہیں دیا کرتا"۔ لیکن اس قطع تعلق کو تلوار چلانے کے برابر سمجھنا صرف انجیلی اصطلاح ہے۔ انجیل کی پیشینگوئی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ پس اگر اس جگہ بر سبیل تنزل تلوار کی پیشینگوئی سے محض روحانی تلوار یعنی قطعِ تعلق مراد لی جائے۔ تو اس رنگ میں بھی یہہ پیشینگوئی حضرت محمد صاحب کے حق میں بھی پوری ہوئی ہے۔ پس جب کہ ایک پیشینگوئی جسمانی اور روحانی دونوں طرح پر ایک نبی یعنی (حضرت محمد صاحب) کے ہاتھ پر اور اُن کے زمانے میں پوری ہوئی۔ اور حضرت عیسے کے زمانے میں بصد دقت و تاویل صرف ایک ہی رنگ میں پوری ہوئی تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہم اُس پیشینگوئی کی تاویل کرتے پھریں۔ اور اِس کو جسمانی معنوں سے بدل کر روحانی معنوں میں لے جائیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے۔ کہ روحانی طور پر یہ پیشینگوئی حضرت عیسے علیہ السلام کے وقت میں بھی پوری ہوئی ہو گی۔ لیکن دیکھنا یہہ ہے۔ کہ آیا اس پیشینگوئی کے مقصودی معنے جسمانی تھے یا روحانی۔ اگر عیسائی صاحبان

کو جسمانی معنوں سے انکار ہے۔ تو ہم کو برائے خدا وہ یہہ بتلاویں۔ کہ ریفارمیشن
کے زمانے میں کیوں روحانی تلوار پر دار نہ رکھا گیا۔ اور کیوں ہزار ہا رومن
کیتھلک راہب اور پاکباز عیسائی نئے مذہب کی خاطر بھیڑ بکریوں کی طرح
ذبح کئے گئے۔ جب عیسائیوں نے اپنے ہاں روحانی تلوار کو جسمانی تلوار
میں بدل دیا۔ تو وہ کس منہ سے ہمیں مجبور کر سکتے ہیں۔ کہ وہ ہمیں منوا
دیں۔ کہ انجیل شریف کی باغبان والی پیشینگوئی سے روحانی تلوار مراد ہے
نہ کہ جسمانی۔ بعض لوگ اس مقام پر کھسیانے ہو کر فرمایا کرتے ہیں۔
کہ ریفارمیشن کی تلوار سے جو پرانے پادری ذبح ہوئے۔ تو وہ انجیل
شریف کی اس پیشینگوئی سے ذبح ہوئے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ
"تم ماباپ اور بھائیوں۔ اور رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی
گرفتار کئے جاؤ گے۔ اور وے تم میں سے بعضوں کو مار ڈالیں گے
اور میرے نام کے سبب سے سب لوگ تم سے کینہ رکھیں گے"۔
لیکن اگر غور کیا جاوے۔ تو اس مقام سے تو صرف اتنا
ہی پتہ چلتا ہے کہ غیر عیسائی لوگ عیسائیوں کو دکھ دینگے۔ نہ کہ
عیسائی عیسائیوں کو......
پس یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ مالک (باغبان) والی پیشینگوئی
محض محض حضرت محمد صاحب کے ہاتھ پر ہی پوری ہوئی۔

دفعہ ۳۲ دوسرا جواب

خدا تعالے اپنی مصلحتیں آپ جانتا ہے۔ اس کی

درگاہ میں دم مارنے کی جگہ نہیں۔ اس نے مصلحتاً حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ایک دنیا کو غرق کر دیا۔ اس نے مصلحتاً حضرت یونس علیہ السلام کے زمانے میں اپنی انذاری پیشگوئی کے باوجود اور اپنے پیارے نبی حضرت یونسؑ کو ناراض کرنے کے باوجود بھی اپنی خلقت کو ہلاک ہونے سے بچا لیا۔ لیکن جب تمام روئے زمین پر بت پرستی چھا گئی۔ تو بت پرستی کی جڑ کاٹنے کے لئے اللہ تعالےٰ کو سختی برتنی پڑی۔ اور اس نے جیسا کہ انجیل شریف میں قبل از وقت فرما دیا تھا باغبانوں کو آپ ہلاک کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ پر غور فرمائیے کہ نبی کی پیدائش ایسے ہی ملک میں ہوئی۔ جو بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور صرف مرکز ہی نہیں تھا۔ بلکہ بت پرستی کی وجہ سے وہ معرض کشت و خون بھی تھا۔ اور اللہ تعالےٰ کی حکمت بالغہ نے ایسا تقاضا کیا۔ کہ اس نے کشت و خون کو کشت و خون کے ذریعے ہی کاٹ دیا۔ اور جنگ بدر میں مسلمانوں نے وہ منظر دکھلایا۔ جو انجیل شریف [illegible] لکھا تھا۔ کہ بیٹے باپ کو اور بھائی بھائی کو قتل کرے [illegible] اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادھر سے تو انجیل شریف میں ظالموں کو آپ کر ہلاک کرنے کی پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے درج کر دی تھی۔ اور ادھر سے اہل عرب کا ایک زمانہ میں آ کر یہ حال ہو گیا۔ کہ ان میں اس قسم کی خوفناک خانہ جنگیاں ہو گئیں۔ جو نسلاً بعد نسل مختلف قبیلوں میں سرایت کر گئیں۔ اور اسی خانہ جنگی کی خاطر ہر ایک قبیلہ [illegible]

بنا لیا تھا۔ چنانچہ کعبہ میں ۳۶۰ بت ایسے تھے جن کے ماننے والے مختلف قبیلے تھے۔ اور ان میں باہمی کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ اور وہ جنگ کے موقع پر اپنے بتوں کی بڑائی اور دوسرے بتوں کی کمزوری کے گیت بھی گایا کرتے تھے۔ گویا بت پرستی سے ان کی خانہ جنگیوں کو اور ان کی خانہ جنگیوں سے انکی انواع و اقسام کی بت پرستی کو تقویت ملتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کو ملک عرب میں مبعوث فرماکر ادھر سے تو وہ قدیمی پیشینگوئی پوری فرمادی یعنی جہاد کا حکم دے کر اور اس کا استعمال کرواکر نہ صرف ملک عرب کی بت پرستی (بلکہ اس کی دیکھا دیکھی تمام دنیا کی بت پرستی بھی) دور فرمادی اور ادھر سے ضمنی طور پر ملک عرب سے اس کی مختلف قوموں کی باہمی کشت و خون کی بھی روک تھام کردی۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہو۔ کہ عرب ایک ایسا وحشی ملک تھا جب [redacted] فسق و فجور کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ چوری اور قزاقی میں تو عرب کے لوگوں [redacted] ناموری حاصل کی تھی۔ کہ غیر قوموں نے سارسین (سارقین کا محرف ہے) خطاب دے رکھا تھا۔ بیرحمی سنگدلی ننھے ننھے معصوم اور شیر خوار بچوں کا زندہ زمین میں گاڑ کر مار ڈالنا یا بتوں پر قربانی چڑھا دینا یہ تو گویا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ حرامکاری بے شرمی۔ اور بے حیائی کی یہ نوبت تھی۔ کہ کنواری اور بیاہی ہوئی عورتیں زنا کو فخر سمجھ [redacted] طرح مرد کسی نامی عورت یا مشہور خاندان

کی عورت سے زنا کرنا فخر کے طور پر بیان کرتا تھا۔ اسی طرح عورتیں نامی مرد یا مشہور خاندان کے مرد سے زنا کرنا فخریہ بیان کرتی تھیں۔ یتیموں کے مال کھا لینے میں وہ ذرا تامل نہیں کرتے تھے۔ بجز شراب خوری قمار بازی اور بت پرستی کے کچھ کام نہ تھا۔ گھر گھر بت پوجے جاتے تھے۔ اور قبیلے قبیلے کا خدا جدا تھا۔ اور ان میں خانہ جنگیوں کی حالت ایسی خوفناک تھی کہ اگر یہ مان بھی لیا جاوے۔ کہ پیغمبر صاحب کے آنے سے بھی ملک عرب میں بہت سی خونریزیاں وقوع میں آئیں۔ تاہم یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ کل تمام خونریزیاں ملک عرب کی سابقہ خونریزیوں اور خانہ جنگیوں کا عشر عشیر بھی نہ تھیں۔ چنانچہ مدینے کے دو قبیلے اوس اور خزرج میں سینکڑوں برس سے لڑائی قائم تھی۔ اسلام نے ایک نیا جتھا کھڑا کیا۔ اور اسلام کی برکت سے لوگ اپنی خاندانی عداوتیں سب بھول گئے۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ پیغمبر صاحب کے جہاد کے حکم نے اگرچہ ملک عرب کی تمام جنگیوں کو ایسا دبایا کہ وہ ملک ہمیشہ کے لئے نہ [illegible] خانہ جنگیوں سے پاک ہو گیا۔ بلکہ ایک حد تک پرانی بت [illegible] شراب خوری۔ قمار بازی بچہ کشی سے بھی پاک ہو گیا۔

انہی وجوہات سے حضرت محمدؐ صاحب کے وجود کو قرآن شریف میں رحمۃ للعالمین قرار دیا ہے۔ نہ صرف عربوں نے اس کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا۔ بلکہ سب سے بڑھ کر عیسائی صاحبان نے فائدہ اٹھایا۔ اور پوپوں کے پنجے سے انہوں نے نجات پانے کا ڈھب سیکھ لیا۔ [illegible] کی خانہ جنگیوں

کے استیصال کا ذکر تو قرآن مجید میں بھی ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ پارہ ۴ سورۃ
آل عمران رکوع ۱۱ کی دوسری آیت :۔
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ
النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور سب مل کر مضبوطی سے اللہ کے دین کی
رسی کو پکڑے رہو۔ اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا۔ اور اللہ کا
وہ احسان یاد کرو۔ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ
تعالے نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی۔ اور تم اس کے فضل سے
بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے آ لگے تھے۔ پھر
اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالے اپنے احکام تم سے
کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ انتہیٰ :۔

پس جب اللہ تعالے نے اس پیشگوئی کو برمحل وارد کیا۔ اور
اس سے [illegible] کی آئندہ کے لئے روک تھام کر دی۔ تو اس میں
اللہ تعالے کی حکمت بالغہ [illegible] اعتراض آسکتا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ
ایسا کرنا اللہ تعالے نے مصلحتاً مناسب سمجھا۔ اور اس بارے ہم
قرآن شریف سے بھی ثابت کر آئے ہیں کہ سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ
نے حضرت نوحؑ کے تذکرے کے بعد حضرت محمدؐ صاحب کے زمانے
میں بھی طوفان نوحؑ کا سا نقشہ جمانیکا ارادہ فرمایا ہے۔ اور جس کو وہ

کفارِ مکہ کے حق میں وارد کرنا چاہتا ہے۔ ملاحظہ ہو دفعہ ۲۶:-

الغرض حضرت محمد صاحب صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیم سے نہ صرف آنجناب کی عین حیات ہی میں ملک عرب کے کل مومن بھائی بھائی ہو گئے۔ بلکہ آنجناب کے وصال شریف کے بعد بھی خلافتِ ثلاثہ کے زمانے تک کل مسلمان ایسے باہم بھائی بھائی رہے۔ اور محبت واخوت میں ایسے سرشار تھے۔ کہ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے اعلائے کلمۂ حق کر دکھایا۔ اور عرب کے علاوہ ایران وروم کے ملکوں میں سے بھی شرک کی بیخکنی کر کے وہاں توحید کا ڈنکا بجایا۔

اس مقام پہ اس امر کا اظہار ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے اس باہمی اتفاق ومحبت کو جو مسلمانوں نے حضرت محمد صاحب کی زندگی میں اور خلافتِ ثلاثہ کے زمانے میں دکھلائی تھی نعمتِ الٰہی کے نام نامی سے نامزد فرمایا ہے۔ اور پھر ایک دوسرے مقام پر اس نعمت کی قیمت وقدر بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:-

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

سورۃ انفال پارہ ۱۰ رکوع کی پانچویں آیت جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ اور اگر تو (اپنے طور پر) روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں

میں اُلفت ڈالدی۔ بیشک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے اُسی نے خاص ترکیبوں سے اُن میں اتفاق پیدا کیا۔ اور اُسی کی حکمت کاری نکلی)

الغرض اتفاق بھی منجملہ اُن الٰہی نعمتوں کے ہے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو تاکید کی ہے۔ کہ وہ دُعا میں مانگا کریں۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ط گویا اِتفاق و اتحاد بھی ایک صراطِ مُستقیم ہے۔ اور جو آجکل مسلمانوں میں گویا عنقا ہے۔ اور اب یہ اور خوش نصیب قوموں میں چلا گیا ہے۔ اور اپنے مبارک پھلوں سے اُن کو متمتع فرمارہا ہے اور مسلمان پڑے مکھیاں مار رہے ہیں۔ اُن میں کوئی شیعہ ہے۔ جو پہلے تین خلیفوں کو تبرّے بھیجنا ہی سعادت کا موجب سمجھتا ہے۔ کوئی خارجی ہے۔ جو حضرت علی علیہ السّلام کو تبرّے بھیجتا ہے۔ کوئی سنی ہے۔ جو تین خلیفوں کے علاوہ حضرت علی علیہ السّلام کو چوتھا خلیفہ مانتا ہے۔ اور صرف رسمی طور پر مانتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں حضرت علی علیہ السّلام کے کسی پاک [illegible] ارشاد پر اس کا کوئی دستور العمل نہیں۔ اور اپنے اپنے طور پر پھر اہلسنت والجماعت میں سے۔ کوئی حنفی ہے۔ کوئی شافعی ہے۔ کوئی مالکی ہے۔ کوئی حنبلی ہے۔ کوئی اہلِ حدیث ہے۔ کوئی اہلقرآن ہے۔ کوئی احمدی ہے۔ اور کوئی اپنے تئیں محمدی کہلا رہا ہے اور ایک دوسرے کی تکذیب پر اس طرح تُلے بیٹھے ہیں۔ کہ گویا ایک دوسرے کے [illegible] ہیں۔ اگرچہ صوفیا میں سے بھی بعض چشتی ہیں۔ بعض

سہروردی۔ بعض قادری وغیرہ ہیں۔ لیکن اُن میں وہ نقص نہیں جو اور
فرقوں میں ہے۔ بہرحال مسلمانوں کے لیئے اس قدر فرقوں کا ہونا ایک
گونہ ذلت وتباہی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب سعادتِ اسلام میں اس امر
کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ اس وقت مسلمانوں
میں سے کونسا فرقہ ناجی ہے۔ اور دوسرے فرقوں میں اختلاف کے
وجوہات کہاں تک صحیح یا غلط ہیں۔ اور اختلاف کی بنا کب سے قائم ہوئی
کہاں سے قائم ہوئی۔ کیوں قائم ہوئی۔ اور اب کس طرح اٹھ سکتی ہے
ہمارا ارادہ تھا کہ اسی مقام پر مسلمانوں کے اختلافات کے وجوہات کے
کافی وشافی جواب بھی دے دیئے جاتے۔ لیکن پھر ہماری کتاب بڑھ
جاتی۔ اور ناظرین ایک دوسرے مسئلے میں جا پڑتے۔ اس لئے ہم نے
اس کے لیئے ایک الگ کتاب مخصوص کر لی ہے۔ اور اس کتاب میں
اسلام کے تمام فرقوں کے تمام اختلافوں کے جوابات قرآن شریف سے
دیئے گئے ہیں۔ اور یہی بات اس کتاب میں ایک خاص بات ہے [illegible]
قابل قدر ہے۔ افسوس اس قدر وقت کے سا[illegible] [illegible] نا اتفاق
و اتحاد کا بیج بو یا گیا۔ اور ہزارہا بزرگوں کی شہادتوں کے ساتھ۔ بو یا گیا
اور آج اس کو بری طرح پاؤں تلے روندا جا رہا ہے۔ لیکن کیا نا
اتفاقی کی طفیل اس وقت مسلمان افلاس وادبار کے پاؤں تلے روندے
نہیں جا رہے ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ اگر مسلمانوں نے یہی وتیرہ رکھا
تو ایک نہ ایک دن اُن کی جمیع برکات کا خاتمہ ہو جائے گا۔

دفعہ ۳۵

الغرض اس سورۃ شریفہ یعنی سورۃ آلِ عمران میں شروع شروع میں ہی حضرت عیسٰے علیہ السلام کی پیدائش کے تذکرے کے پہلے تمہیدی طور پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی ہے

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ

جس سے نہ صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام و حضرت یحیٰی علیہ السلام کی عجیب (نہ کہ مافوق الفطرت) پیدائشوں کا تمہیدی ذکر کرنا اللہ تعالےٰ کا مقصود ہے۔ بلکہ اس سے حضرت محمدؐ صاحب کی دینی کامیابی کی بشارت دینا بھی اللہ تعالےٰ کا مقصود ہے۔ اس آیتِ شریف کے علاوہ اسی سورت شریف میں اور چھ ایسی اصولی و تمہیدی آیات بھی پائی جاتی ہیں۔ جو مسئلۂ امامت پر اور مسئلۂ ولادتِ مسیح پر کافی روشنی ڈالنے کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے اختلافات کا شافی جواب دیتی ہیں۔ اور جن کو کامل طور پر سمجھنے کے بعد کچھ شک ہی نہیں رہتا۔ اور اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام بلا باپ پیدا نہیں ہوئے تھے ہم طوالت کے خوف سے اس مقام پر صرف دو اصولوں کا ذکر کریں گے جن میں سے ایک کا ذکر تو یہاں کرتے ہیں۔ جو ثبوتیہ ہے۔ اور ایک کا کتاب کے آخیر میں ذکر کر دیں گے۔ ناظرین وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔ باقی چار چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ بہر حال ان چھ اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے:-

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

سورۃ آل عمران پارہ ۳ تلک الرسل رکوع ۲ کی پانچویں آیت شریف جس کے ترجمے پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا کے طبقے پر انسان کی بڑی خواہشوں میں سے سب سے بڑی خواہش جو نظام عالم میں اپنا اثر ڈالتی ہے۔ وہ مرد و عورت کی باہمی مودت و محبت ہوتی ہے۔ پھر اس سے دوسرے درجے پر بیٹوں کی۔ پھر تیسرے درجے پر مال و دولت (سونے چاندی) کی۔ پھر گھوڑوں کی پھر چارپایوں کی اور سب سے آخری کھیتی باڑی کی یہہ ترتیب طبعی ہے۔ اور کوئی انسان اس ترتیب کو بدل نہیں سکتا۔ یہ سچ ہے۔ کہ جوں جوں انسانی قوے کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ توں توں اس کی خواہشوں کی ترتیب بھی بدلتی جاتی ہے۔ لیکن عین جوانی کے عالم میں زور و قوت کے زمانے بد[illegible] خواہشوں کی ترتیب یہی ہے۔ جو اللہ تعالے نے بیان فرمائی ہے۔ ہمارا یہہ مطلب نہیں کہ ہم اس جگہ آیت شریف کا شان نزول و تفسیر لکھنی شروع کرنے لگے ہیں۔ ہمارا مطلب صرف اس قدر ہے۔ کہ اللہ تعالے کی حکیم کتاب نے یہ فرمایا ہے۔ کہ اگرچہ بیٹا پیدا ہونے کی خوشی ایک اعلے درجے کی خوشی ہوتی ہے۔ لیکن یہ خوشی [illegible] عورت کے ازدواجی

خوشی سے ہمیشہ دوم نمبر پہ ہی ہوا کرتی ہے۔ اور یہی سنتِ صحیحہ ہے۔ اگر ازواج کی باہمی محبت بنین (اولاد) کی محبت سے بڑھکر نہ ہوتی۔ تو دنیا میں توالد وتناسل کا سلسلہ بوجہ احسن نہ چلتا۔ اور پھر اولاد میں سے بیٹوں کی پیدائش کی خوشی بیٹیوں کی پیدائش کی خوشی سے بڑھکر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اسی سورۃ شریفہ میں اللہ تعالےٰ نے مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ کے قول نقل کرنے میں اس [illegible] کا اظہار فرمایا ہے:۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ
لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ؕ

سورۃ ال عمران رکوع ۴ کی چھٹی آیت کا پہلا ٹکڑا۔ بہر حال اللہ تعالےٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پیدائشوں کے تمہیدی بیان میں آیت زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ الخ میں نساء کو بنین کے پہلے لکھنے سے اس امر پر مہر لگادی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ [illegible] قطعاً منشا نہیں ہے۔ کہ وہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت یحیٰی علیہ [illegible] سے کسی ایک یا دونوں کی مافوق الفطرت ولادت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے [illegible] ایسا کرنے کا اسے خیال بھی پیدا ہوا ہے اگر اس کا یہ منشا ہوتا۔ کہ میں ایک یا دو مافوق الفطرت والعادت پیدائشوں کا ذکر کروں۔ تو اس میں زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ نہ فرماتا۔ بلکہ نساء کے لفظ کو کاٹ ہی دیتا۔ یا اسے شرم کے مارے [illegible] آخر میں جا رکھتا۔

کیا یہ ممکن ہے۔ کہ تمہید میں تو اللہ تعالیٰ ایک خاص اصول کا بیان فرماوے۔ اور پھر آگے چلکر اس اصول کو گاؤ خورد کر جاوے۔ اس مقام پر بعض لوگ قلت تدبر سے ایک اور اصول کا ذکر بھی فرمایا کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جو عورت کسی معبد پر نذر کے طور پر چڑھائی جاتی تھی۔ موسوی شریعت میں اس کو نکاح کرنے کی اجازت ہی نہیں تھی:

اُن بھلے مانسوں کو ذرا غور کرنا چاہیئے۔ کہ اگر ایسا ہوتا۔ تو مریم علیہا السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی مریمؑ کی ماں کیوں یہ دعا مانگتی۔

وَاِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

(سورۃ ال عمران رکوع ۴ کی چھٹی آیت شریف کا دوسرا ٹکڑا)

اب ہم اصل قصے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ناظرین کو چاہئیے کہ سورۃ ال عمران کے رکوع ۵ کو ذرا کھول لے۔ اور اس میں پہلی اور دوسری آیات اور پھر چوتھی۔ پانچویں چھٹی آیات پر خاص خیال فرماوے

دفعہ ۳۶

الغرض جب آسمان پر اس امر کا فیصلہ ہو گیا کہ خلق اللہ کی ہدایت اخروی و نجات کے لئے ایک اولوالعزم نبی کا پیدا کیا جانا ازبس ضروری ہے۔ اور اُس کی پیدائش توریت شریف کی پیشینگوئیوں بشارتوں کے مطابق وقوع میں آئی ہے۔ تو پہلے پہل مریمؑ پر الہامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ فرشتوں نے مریم علیہا السلام کو قبل از وقت بتلا بھی دیا۔ کہ اے مریمؑ ایک لڑکا جنا جائیگی اسکے لئے [illegible] تیرے

خدا تعالیٰ نے تجھے چنا ہے۔ اور سارے جہاں کی عورتوں سے بڑھکر اُس کو تجھ پر ہی فضل کرنا مقصود ہے۔ تجھ کو اُس نے تمام گناہوں سے پاک رکھا ہے۔ اے مریمؑ ایسا کرنا۔ کہ خدا کا جو حکم تجھ پر نازل ہو۔ اُسے اچھی طرح سے بجا لائیو۔ اور ساتھ ساتھ خدا کی عبادت بھی کرتی رہیو۔ جیساکہ فرمایا:-

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

رکوعؑ کی پہلی اور دوسری آیات

جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اور جب فرشتوں نے (مریمؑ سے) کہا کہ اے مریمؑ تم کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرمایا (چن لیا) اور (گناہ کی آلودگیوں سے بھی) تم کو پاک وصاف رکھا۔ اور اسی وجہ سے تم کو دنیا جہاں کی عورتوں پر (ترجیح دے کر) انتخاب فرمایا (تو) اے مریمؑ اپنے پروردگار (کی فرمان) برداری کرتی رہو۔ اور اُس کی جناب میں سجدہ کیا کرو۔ اور رکوع میں ... جھکتی رہو:-

اس مقام پر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مریمؑ پر جب یہ سلسلہ الہامات شروع ہوا۔ تو وہ بالغ ہو چکی تھی۔ تب ہی تو اُسے یہ بشارت ملی۔ کہ اصطفٰکِ علٰی نساءِ العلمین۔ یعنی اے مریمؑ تجھے دنیا جہاں کی عورتوں پر ترجیح دے کر اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ہے۔ اور تب ہی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ... کی تابعداری کرنے پر مکلف بھی کی گئی ہے

الغرض جب فرشتے مریمؑ کو آگاہ کر گئے۔ تو ایک دن انہوں نے اُس کو خدا کی طرف سے بشارت بھی لا سنائی۔ کہ اے مریمؑ اب تیار ہو جا۔ تجھ پر اللہ تعالیٰ اپنا کلام نازل فرما دے گا۔ اور تجھے ایک بیٹا بخشے گا۔ جس کا نام عیسیٰ ابن مریمؑ دنیا میں مشہور ہو گا۔ اور وہ دین و دنیا میں رو دار۔ معزز ہو گا۔ اور خدا کے مقرب بندوں میں سے ہو گا۔ اور وہ (دنیا میں اپنے گرد و نواح کے لوگوں سے دو حالتوں میں کلام بھی سیکھے گا۔ گویا مختلف وقتوں میں اُسے دو بولیاں سیکھنی پڑینگی جس سے اشارتاً پایا جاتا ہے۔ کہ وہ پہلے ملک سے قطعی ہجرت کر کے عالمِ کہولت کے اندر دوسری بولی والے ملک کے اندر چلا جائے گا۔ اور پہلے ملک کو بالکل ہی چھوڑ جائے گا) (اس رکھنے والے اور قدرتی طور پر بلا معلوم بولیاں سکھانے والے لوگوں یعنی) (انسانوں کے ساتھ جھولے میں (ایک بولی میں) اور بڑی عمر کا ہو کر (دوسری بولی میں یعنی بولی سیکھ کر) کلام کیا کرے گا۔ اور وہ نیکو کا[illegible] سے ہو گا؟۔

اِس بات پر مریمؑ کو بہت اضطراب پیدا ہوا۔ اور دل میں بشارت سنکر بہت خوش ہوئیں۔ اور پھر خُدا کی درگاہ میں آپ نے دعا مانگی اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ میرے ہاں لڑکا کیوں کر پیدا ہو گا۔ حالانکہ مرد نے مجھے چھوا ہی نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُسے جواب دیا۔ کہ اسیطرح

ا؎ اس جگہ کَہْلًا کا ترجمہ کرنے میں ہم نے دنیا [illegible]

سے تھوڑا سا انحراف کیا ہے۔ کہ اس کی تنوین کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ چونکہ عربی میں
علامت تنکیر ہے۔ جس طرح اَل عربی میں علامت تعریف (معرفہ ہونے کی علامت)
ہے۔ اردو فارسی میں علامت تنکیر و تعریف تو کوئی نہیں۔ البتہ چند صفتی کلمے ہیں،
جو تنکیر و تعریف کا مفہوم ایک حد تک ادا کر جاتے ہیں۔ اردو میں حروف تنکیر کوئی
کچھ۔ ایک۔ کسی ہیں۔ اور حرف تعریف وہ۔ یہ۔ اُن۔ انہوں ہیں۔ چنانچہ لَمْ یَمْسَسْنِی بَشَرٌ
کا ترجمہ عام لوگ یہ کیا کرتے ہیں۔ مجھکو کسی مرد نے نہیں چھوا۔ انگریزی زبان میں
حروف تعریف و تنکیر کو articles کہتے ہیں۔ اور وہ صفات تعینی سے منقول ہیں
اور زور میں کمزور اور ہلکے ہوتے ہیں۔ یعنی a اور an تو one کا مخفف ہیں۔ اور
the یا تو this کا یا that کا مخفف ہے۔ لیکن انگریزی کے articles
بھی علم صرف میں صفتی کلمے گنے جاتے ہیں۔ اور اسم سے الگ معنے دیتے ہیں۔ گو
نحو میں ان کی کمزوری کے سبب سے ان کو اسم کے ساتھ ملا کر فقروں کی ترکیب
کی جاتی ہے۔ اور عربی کے articles انگریزی کے articles سے
بھی کمزور ہوتے ہیں۔ اور وہ اسم سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ معنوں کے لحاظ
سے انگریزی کا a یا an عربی کی تنوین سے اور انگریزی کی the عربی کے
اَل کا مترادف ہے۔ لیکن عربی کے articles اس قدر کمزور ہیں۔ کہ نہ
صرف میں اسم سے الگ ہو سکتے ہیں۔ نہ نحو میں۔ اردو زبان کی کم ظرفی
کے سبب سے ہم نے عربی فقرے کا ترجمہ کرتے وقت اس کی تنوین کا (یَمْسَسْنِی)
ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ یَمْسَسْنِی ترجمہ سے عربی کے اصلی مفہوم پر پانی پھر
جاتا ہے۔ اور پھر اردو کے حسن ترجمے کی (کہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا) ہے

گت بنتی ہے۔ کہ نعوذ باللہ یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ مریم علیہا السلام جس کو طھرّک کا خطاب مل چکا ہے۔ اس قدر اخلاق سے گری ہوئی عورت ہے۔ کہ وہ درپردہ چاہ رہی ہے۔ کہ کاش کوئی مرد (زید۔ عمر۔ بکر۔ خالد۔ ولید۔ حامد۔ گنگا سنگھ جھنڈا سنگھ۔ لہنا سنگھ بیگا چند۔ کھیم چند۔ ہیم چند۔ جوتی پرشاد۔ دھوتی پرشاد گنگارام۔ مولا بخش۔ ڈینیل۔ گرین شٹ ہیگو صاحب۔ الگزینڈر۔ الفرڈ گھسیٹا بوٹا۔ موتی۔ جوتی۔ کھڑک سنگھ۔ ڈکار سنگھ۔ نعوذ باللہ من ھـذا لھفوات) ہی اسے چھو جائے۔ تا اس کا بیڑا پار ہو جائے (لعنت بر ایں عقیدہ) اس لئے ہم نے لفظ "کسی" کو ترجمہ سے چھوڑ دیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ قرآن شریف کے تمام مفسروں اور مترجموں نے غلامٌ وَلدٌ کی تنوینوں کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے وہ بھی چھوڑ دیا ہے۔ پس اگر کسی شخص کو بَشَرٌ کی تنوین کا ترجمہ چھوڑ دینے کی بابت اب بھی کوئی عذر ہو۔ تو اس کا جواب وہ اُن تمام علماء سے پوچھ سکتا ہے۔ کہ غلامٌ کی تنوین کا ترجمہ کیوں وہ چھوڑ گئے ہیں۔ یا وہ خود سمجھ سکتا ہے۔ کہ جس طرح غلامٌ کے ترجمے کا اظہار کئے [illegible] اردو زبان میں تنوین کا ترجمہ کئے بغیر اصلی مفہوم بوجہ [illegible] ادا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بَشَرٌ کا ترجمہ کرتے وقت تنوین کا ترجمہ چھوڑ دینے سے ہی اردو میں اصلی مفہوم بوجہ احسن ادا ہو سکتا ہے۔ اور بین ترجمہ کرنے میں اُن یہودیوں کی طرح لعنتی ہونا پڑتا ہے۔ جن کے حق میں اللہ تعالےٰ نے زور شور سے فرمایا ہے۔ وقولھم علی مریم بہتاناً عظیماً۔ یعنی اس عفیفہ کی نسبت بہت سے خاوند تجویز کرنے کا خیال بھی انسان کو لعنتی بنا [illegible]۔

(دیکھو بقیہ حاشیہ ۱۰۱ پر)

اللہ جو چاہتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کرنا ٹھان لیتا ہے
تو بس اُسے فرما دیتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتا ہے:۔

یہہ تمام بیان سورۃ آل عمران کے رکوع ۵ کی چوتھی۔ پانچویں
اور چھٹی آیات کا ترجمہ ہے۔ جن کی اصل عبارت یوں ہے:۔
إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي
الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ
بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

دفعہ ۳۷

اب ہم اپنے ناظرین سے بصد الحاح و لجاجت سے التماس
کرتے ہیں۔ کہ وہ کچھ عرصے کے لئے کل شہوانی خیالات چھوڑ دیں۔ اور
اگر ہوسکے۔ تو اَعُوْذُ پڑھیں۔ وضو کرکے دوگانہ ادا کریں۔ جیسا کہ اللہ
تعالیٰ کے کلام سے بھی ظاہر ہے۔ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ [illegible] کہ اب اللہ تعالیٰ کے نہاں در نہاں اسرار کے کھلنے کا وقت
ہے۔ اس ترجمے میں لَمْ [illegible] سنی لبشرٌ کا فقرہ خاص الخاص توجہ اور غور
کے قابل ہے۔ کیا جو عورت بڑے دعوے کے ساتھ درگاہِ ایزدی
میں کھڑی ہو کر یہہ فقرہ بول رہی ہے۔ اور تماسِ بشر سے بالکل انکاری
ہے۔ کیا تم اُس کی نسبت خیال بھی کر سکتے ہو۔ یا خیال کرنے کا وہم بھی
کر سکتے ہو۔ کہ اسے تماس [illegible] کا خیال بھی پیدا ہوا ہو گا۔ یعنی اُس نے وہ فقرہ

اُس حالت میں بولا ہوگا۔ جب کہ ابھی اُس کا نکاح بھی نہ ہوا ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے اس آیت میں عجیب انداز رکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ لی اور بشر (مریمؑ اور خاوند) کے الفاظ کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ گویا۔ دونوں لفظ باہم تماس کر رہے ہیں۔ اور دوسرے بشر کا پہلا حرف ب شفتی ہے۔ جس کے بولنے میں ہونٹوں کو باہم اسی طرح ملانا پڑتا ہے۔ جس طرح کوئی آدمی کسی چیز کا بوسہ لیتا ہے۔

الغرض اس آیت پر سارے عقیدے کی جان ہے۔ اور یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ مریمؑ اس فقرے کو بولتے وقت شہوانی خیالات میں مستغرق ہو۔ کیوں کہ یہ جملہ وہ زید عمر بکر خالد کے سامنے نہیں بول رہی ہے۔ بلکہ خاص پروردگار کی درگاہ میں بول رہی ہے جس کی درگاہ کے اندر داخل ہونے کے لئے مومن کو وضو یا تیمم کر کے جانا پڑتا ہے۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال میں تم نے نہیں پڑھا ہے۔ وَخَرَّ مُوسیٰ صَعِقًا۔

اور پھر عام طور پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ [illegible] لو انزلنا هٰذا القرآن علیٰ جبلٍ لرایته خاشعًا متصدعًا من خشیة اللہ۔

دفعہ ۳۸

ہم ناظرین کو زیادہ دیر تک اس میں متشبہ نہیں رکھنا چاہتے اور مختصر عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر لہ یمسسنی بشر کا فقرہ جس کی تصدیق اللہ تعالےٰ نے کذالک کے جواب سے فرما دی [illegible] استغفراللہ طور پر

صحیح ہے۔ تو بشر سے مراد مریمؑ کا جائز خاوند ہی ہو سکتا ہے۔ جس سے مریمؑ کی شادی ہو چکی ہو۔ نہ کہ کوئی اور غیر مرد۔

اس قدر مختصر بیان اُن لوگوں کی سمجھ کے لئے تو کافی ہے۔ جو مریمؑ کو مریمؑ کی آنکھوں سے دیکھیں۔ یعنی فنا فی المریمؑ کے مقام پر کھڑے ہو کر اُس کی مزاج کے عارف ہو کر اُس کے بارے میں رائے لگا دیں۔

لیکن جن لوگوں کو سمجھ نہ آوے۔ اُن کے لئے ہم آیت شریفہ کے ٹکڑے لمہ یمسسی بشر کے تمام امکانی معنے اس جگہ درج کرتے ہیں۔ اور مقصودی معنوں کی تلاش کرنے کے لئے۔ ہم ناظرین سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ خود ہی فیصلہ فرمالیویں۔ کہ کونسے معنے حضرت مریم علیہا السلام کے پیش نظر تھے۔ اور کونسے معنے اس کا مقصود ہو سکتے ہیں۔

تعجب ہے کہ مسلمانوں نے اس بارے میں عیسائی صاحبان سے بھی سبق حاصل نہیں کیا۔ کاش ذرا دو منٹ کے لئے انجیل مبارک کو دیکھا ہوتا۔ وہاں [illegible] ہے۔ اور وہاں مرد کے لفظ کے ساتھ کوئی کلمہ تنکیر نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو [illegible] کی آیت۔ "مریم نے فرشتے سے کہا۔ یہ کیونکر ہوگا۔ جس حال میں کہ میں مرد کو نہیں جانتی۔ اور فرشتے نے جواب میں اُس سے کہا۔ کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا تعالے کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی۔"

([illegible] اول ۳۵ آیت)

دفعہ ۳۹

اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اُس نے اِس فقرے کا مطلب سمجھانے کے لئے اگرچہ اِس فقرے میں اپنی اعجاز بیانی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اور یہہ فقرہ اپنا مفسّر آپ ہے۔ جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور جیساکہ انجیل میں بھی بعینہٖ اِسی کا مترادف فقرہ ہے "میں مرد کو نہیں جانتی"، جس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ ایسا فقرہ بولنے کی بھی مجاز نہیں بن سکتی۔ جب تک کہ ایک مرد کا نکاحِ شرعی اُس سے نہ ہو چکا ہو (کیونکہ روحانی طور پر وہ ایسا خیال کرنے کی مجاز نہیں ہو سکتی۔ اور جسمانی طور پر جبکہ بشر کا لفظ نہ صرف اس کے منہ کو تماس کر رہا ہے بلکہ بشر کا لفظ نی کے لفظ کو بھی جو اِسم مریمؑ ہے۔ تماس کر رہا ہے۔ تو کیوں کر (نی) اور بشر میں کسی قسم کا وصل نہ مانا جائے۔ اور یہی بات دوسرے لفظوں میں نکاحِ شرعی ہے) اور انجیل مقدس میں اِس امر کی صراحت بھی موجود ہے۔ کہ ان کا نکاح ہو چکا تھا (منگنی اور نکاح عہدِ موسوی میں مترادف الفاظ تھے) اور نیز غت عیسائی صاحبان اِس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ منگنی کے بعد ان میں مجامعت شرعاً جائز ہے۔ اور یہہ بھی جانتے تھے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جناب یوسف نجار کی ذریت سے ہیں۔ جیساکہ آج کے دن تک بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نسب نامہ میں لکھا ہوا ہے دیکھو انجیل متی باب اول آیت ۱۶۔ اور حضرت پولوس صاحب علیہ السلام نے بھی یہی گواہی دی ہے۔ جیساکہ لکھا ہے [illegible] کے نام پولوس

رسول کا خط باب اول آیت چار۔ جو (یسوع مسیح) جسم کے اعتبار سے داؤد کی نسل سے پیدا ہوا۔ لیکن پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا۔

لیکن قرآن شریف نے واقعہ صحیحہ کے بیان کرنے میں صرف اسی اکیلے فقرے پر انحصار نہیں کیا۔ بلکہ اس نے ایک اور مقام پر اس فقرے کا زوج بھی درج کر دیا ہے جس سے اس فقرے کے مفہوم پر ایسی روشنی پڑتی ہے۔ کہ جھٹ اس فقرے کے صحیح معنے کھل جاتے ہیں۔ اور چوں و چرا کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کا وہ فضل خاص ہے۔ جس کی وجہ سے قرآن مجید کو انجیل شریف پر ایک گونہ فوقیت ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ذیل :-

قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا۔ سورہ مریم پارہ ۱۶

قال الم رکوع ۲ کی آیت پانچویں :-

وقفہ ۴

اس مقام پر [illegible] یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کے ساتھ لَمْ اَکُ بَغِیًّا کا فقرہ بھی آگیا ہے۔ جو اس کی خدمت اور تکمیل کر رہا ہے۔ اب اگر پہلے فقرے کے معنوں میں بشر کے لفظ میں ایک عمومیت مانی جاوے۔ تو پھر وَلَمْ اَکُ بَغِیًّا کی پھر کیا ضرورت رہتی ہے۔ جس میں عام فہم ترجمہ کے مطابق انہ میں کبھی بدکار نہ رہی۔ گو ہم اس ترجمے کو بھی نہیں مانتے۔ جیسا کہ آگے چلکر معلوم [illegible] مریم بدکار عورت ہونے سے دُہائی مانگ رہی ہے۔ کیا بدکار

عورتوں کے گھر مسِ بشر (عام) کے بغیر ہی حمل ہو جایا کرتا ہے۔ ایسا ہا اہو ہوا۔

دوستو مقام غور ہے۔ اگر لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کے فقرے میں بشر سے مراد خاوند جائز نہ لی جاوے۔ بلکہ عام آدمی (ہر کہ ومہ) سے مراد لی جائے۔ تو لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا میں کوئی دوسری توجیہ حمل قرار پانے کی باقی رہ جاتی ہے۔ یعنی اگر لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ میں حمل قرار پانے کی طبعی توجیہ کا بیان ہونا مان لیا جاوے۔ تو پھر حمل قرار پانے کی تمدنی صورت کے بیان کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ جس کا اظہار لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا سے کیا جائے۔ اور جس کے اظہار کے لئے ایک خدا کی ضرورت ہو۔ بالفاظِ دیگر یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ حمل کی دو بیان کردہ صورتوں میں سے ایک شق تو طبعی توجیہ کا انکشاف کر رہی ہو۔ اور دوسری شق تمدنی (اور وہ بھی مکروہ) توجیہ کا انکشاف کر رہی ہو۔ یا تو دونوں توجیہیں طبعی ہونی چاہئیں۔ یا دونوں تمدنی طبعی تو دو بیہ نہیں سکتیں کیونکہ تمام روئے زمین پر حمل قرار پا جانے کی طبعی توجیہ ایک ہی ہے اور وہی مریم کے ذہن میں ہے۔ اور ابھی تک تمہاری مافوق الفطرت فرضی توجیہ کی خبر ہی نہیں۔ کیوں کہ خدا کا جواب آگے آتا ہے۔ اس وقت تک مریم کے ذہن میں بھی حمل پانے کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہی ہے۔ جو مسِ بشر کے الفاظ سے ایک رنگ میں اللہ تعالےٰ کی قادر الکلامی نے بیان بھی کر دی ہے۔ پس ماننا پڑے گا۔ کہ دونوں صورتیں تمدنی توجیہ کا انکشاف کر رہی ہیں جن میں سے لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ [illegible] تو توجیہ

مقبول کو بتلا رہا ہے۔ اور لہٗ اَتٗ بَغِیًّا توجیہ مذموم کو بتلا رہا ہے؛

دفعہ ۱۸

پس یہہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ مریمؑ کے ذہن میں نفس مجامعت کا خیال براہِ راست نہ پہلے فقرے میں ہے اور نہ دوسرے فقرے میں (اَور ضمنی طور پر اِن دونوں میں ہے یعنی مخاطب کو اور ثالث مبین کو حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ مریمؑ کے اِن دونوں فقروں سے یہہ استنباط کرے کہ مریمؑ کا ذہن مجامعت کے عدم وقوع کا اظہار شریفانہ لہجے میں کر رہا ہے ورنہ نفس مجامعت کی طرف مریم کا ذہن نہ لَمْ یَمْسَسْنِی بَشَرٌ کے فقرے کے اظہار کرنے میں ثابت ہے۔ اور نہ لَمْ اَکُ بَغِیًّا کے فقرے کے بولنے میں وہ صرف دو تمدنی مشکلات اور الجھنوں کا ہی بیان فرما رہی ہے۔ اور یہی مطلب ہے کلام اللہ شریف کی اُس آیت کا جس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَطَهَّرَكِ۔ اور فرمایا۔ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ؛ بلکہ پہلے فقرے میں بشر کی مقبول شق کا بیان کر رہی ہے۔ اور دوسری صورت میں مذموم شق کا [illegible] سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ بشر سے مراد مریمؑ کا خاوند ہی ہے نہ کہ زید عمر بکر وغیرہ۔ جب بشر کے معنے مقرر اور متعین ہو گئے۔ تو مِس کے وہ معنے جو مریم علیہا السلام کے ذہن میں اور جن معنوں کے ساتھ وہ نہایت بھرپور کر درگاہِ الٰہی کلام کر رہی ہے۔ اُن معنوں کا پتہ لگانا کچھ مشکل امر نہیں ہے۔ آؤ ہم ملکر ثابت کریں :-

دفعہ ۲۴

اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ کہ دونوں فقرے حمل قرار پانے کی تمدنی شق کا ہی بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ مَسّ کے لفظ سے مریمؑ کی مراد براہِ راست خاص نفس مجامعت نہیں ہے۔ تو اب دونوں فقروں کے حقیقی معنے آپ ہی آپ کھل جاتے ہیں کیونکہ امکانی طور پر اگر دونوں فقروں کو تمدنی مانکر بھی معنے کئے جائیں۔ تو دو ہی قسم کے متوازی ترجمے ہو سکتے ہیں۔

(۱) (میرے) خاوند نے میرے ساتھ مباشرت نہیں کی۔ اور نہ میں بدکار (کنجنی) ہوں۔

(۲) (میرے) خاوند نے میرے ساتھ مَسّ تمدنی پیدا نہیں کیا (اور اس طرح اُس نے میرے ساتھ مباشرت نہیں کی) اور نہ میں (قومی طور پر) بدکار ہوں (کہ اُس کے ساتھ ایسی حالت میں مباشرت کروں)

صورتِ اوّل میں مَسّ کا ترجمہ براہِ راست مباشرت [illegible] ہے اور دوسری صورت میں ضمنی طور پر۔ اس لئے صورتِ اوّل کے معنے قطعی طور پر غلط ہیں۔ اور نہ صرف لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کے بیان کردہ معنے غلط ہیں۔ بلکہ لَمْ اَکُ بَغِیًّا کے بیان کردہ معنے [illegible] ہی قطعی طور پر غلط ہیں۔ لاجرم طوعاً کرہاً ماننا پڑے گا۔ کہ صورتِ [illegible] کے معنے ہی قطعی ہیں۔ اور وہ یہہ ہیں۔ کہ جب مریم علیہا السّلام کو فرشتوں کی [illegible] بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت ملی۔ تو اُس نے درگاہِ الٰہی میں [illegible] یا الٰہی میرے

ہاں بیٹا کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ جبکہ میرے خاوند نے میرے ساتھ ہمبستری نہیں کیا (حالانکہ نکاح ہو چکا ہے اور نہ میں اپنے خاندان کی رسموں کے معیار کے مطابق) اپنی خاندانی رسموں سے باغی ہوں۔ کہ اس حالت میں میں وہ بات کر گزروں }۔

دفعہ ۴۳

جب مریم علیہا السلام نے امتناع حمل کے بارے میں عذر کھڑا کر دیا تو اللہ تعالٰی نے ساتھ ہی فرمایا۔ جیساکہ سورۃ آل عمران میں سوال کے بعد معاً درج ہے:۔

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے مریم اسی طرح اللہ تعالٰی پیدا کیا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھان لیتا ہے۔ تو بس اسے فرما دیتا ہے۔ کہ ہو اور وہ ہو جاتا ہے۔ گویا عذر کو کاٹا ہی نہیں۔

نوٹ ضروری

اس جگہ کذلکِ کا لفظ عربی خاص طور پر توجہ کے قابل ہے اس قدر فصاحت دنیا کی اور کسی زبان میں نہیں۔ کہ ذرا ذرا سے باریک فرقوں کو زیروں زبروں پیشوں سے ادا کر دیا جائے۔ کذٰلکِ کے معنے خالی "اسی طرح" یا "ایسا ہی" نہیں ہیں۔ بلکہ کِ کا لفظ ضمیر واحد مؤنث مخاطب صیغہ ہے جو اس میں اسی غرض سے بڑھایا گیا ہے۔ تاکہ اس میں نہ صرف بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت کا اشارہ پایا جائے۔ جیساکہ

کذالک کے عام معنوں کے مطابق (ایسا ہی کے لفظ میں جو کذالک - کذالک کذا میں مشترک معنے ہیں) پایا جاتا ہے۔ بلکہ اس میں مریمؑ کے جواب کے ساتھ ایک مطابقت کرتا ہوا اشارہ بھی پایا جاوے۔ گویا اللہ تعالےٰ مریمؑ کے عذر کو صحیح تو قرار دیتا ہے۔ لیکن مسّ طبعی کو مسّ تمدنی کے عدم وقوع کی حالت میں ناجائز اور غلط قرار نہیں دیتا۔ اگرچہ یہ ایک بڑی دقیق بات ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے اس بات کو ایک تمثیل کے ساتھ سمجھایا ہے:۔

اور ایسا کرنے میں اللہ تعالےٰ رحمٰن الرحیم نے امتِ محمدیہ پر خصوصاً اور امتِ عیسوی پر عموماً ایک بڑے فضل کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل:۔

یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ۝ قَالَ کَذٰلِکَ ۚ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا

(سورۃ مریم پارہ ۱۶ قال الم رکوع کی ساتویں۔ آٹھویں۔ نویں آیات) جن کا ترجمہ یہ ہے (خدا نے فرمایا۔ اے زکریاؑ ہم تمکو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام ہوگا یحییٰؑ۔ اور اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا۔ زکریاؑ نے بتقاضائے بشریت عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ میری بی بی تو بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی حد غایت کو پہنچ گیا ہوں۔ فرمایا ایسا ہی (اے زکریاؑ) تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ یہ سہل ... دینا ہمارے

لیئے آسان ہے اور (اس سے) پہلے تم ہی کو ہم نے پیدا کیا۔ حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے

یہہ وہ آیات ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بیان کے معاً پہلے اللہ تعالےٰ نے نظیر کے طور پر آپ ہی فرمائی ہیں۔ ہم نے اس مقام پر اختصار کے لحاظ سے صرف تھوڑا سا ٹکڑا درج کیا ہے ہمارے ناظرین دونوں ٹکڑوں کو مقابلہ اور موازنہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام دونوں صاحبوں کی پیدائش کا حال بالکل ایک دوسرے کا متماثل ہے جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت سنکر دو عذر اٹھائے ہیں۔ اسی طرح مریمؑ نے بھی دو عذر اٹھائے ہیں۔ اور پھر جس طرح حضرت یحییٰؑ کی پیدائش میں دونوں عذروں میں سے ایک عذر خاوند کی ذات کے متعلق ہے۔ اور دوسرا بیوی کی ذات کے متعلق۔ اسی طرح مریمؑ کے بیان کردہ عذروں میں سے بھی ایک مریمؑ کے خاوند کی ذات کے متعلق ہے۔ اور دوسرا مریمؑ کی اپنی ذات کے متعلق۔ جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں۔ اس جگہ ہم یہہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ جس طرح حضرت زکریاؑ کے جواب میں جو مرد ہے اللہ تعالےٰ نے کذالک کا لفظ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے جواب میں جو عورت ہے اللہ تعالےٰ نے کذالک کا لفظ فرمایا ہے۔ اور پھر جس طرح حضرت زکریاؑ کو فرمایا۔ قال ربک ھو علی ھین

اسی طرح سورۃ مریم میں اللہ تعالےٰ نے مریمؑ کو فرمایا۔ قال ربک هُوَعلیّ هین۔ الخ۔ (اسی ضمنی مماثلت سے ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ یا تو دونوں کی پیدائش مافوق الفطرت ہے۔ یا دونوں کی فطری گو دونوں ایک حد تک مایوسانہ ہے)

الغرض جس طرح پہلی صورت میں اللہ تعالےٰ نے حضرت یحییٰؑ کے بارے میں حضرت زکریاؑ کے جواب میں کذالک کا لفظ بولکر (نہ کہ صرف کذا کا لفظ بولکر) یہ جتلا دیا۔ کہ تیرا عذر درست کر دیا جاوے گا۔ کیونکہ یہہ کوئی انہونا عذر نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بارے میں حضرت مریمؑ کے جواب میں کذالک کا لفظ بولکر (نہ کہ صرف کذا کا لفظ بولکر) یہ جتلا دیا۔ کہ تو سچی ہے۔ لیکن تیرے عذر کو درست کر دیا جاوے گا۔ چنانچہ کلام اللہ شریف کے دیگر مقامات پر دونوں عذروں کی درستی اور تلافی کا یوں ذکر ہے۔ اولاً حضرت زکریاؑ کا

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ط پارہ ۱۷ اقترب للناس سورۃ الانبیاء رکوعؑ کی ۶ (؟) ویں آیت؛

دوم حضرت مریمؑ کا۔ جو سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۶ کی سولھویں آیت یعنی حضرت زکریاؑ والی آیت کے بعد کی آیت جیسا کہ فرمایا:۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۵۰

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

اللّٰہُ اکبر

بلکہ اس سورۃ انبیاء میں دیگر انبیاء کے عذروں کی تلافی کا بھی ذکر ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (رکوع ۶ کی چوتھی آیت) اور پھر فرمایا وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ الخ (رکوع ۶ کی پانچویں آیت) اور پھر ان تمام انبیاء کے ذکروں کے بعد ان کا ایک اجماعی بیان ہے:۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝

اسی رکوع کی آخری آیت سے پہلی آیت:۔

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالٰے کے نزدیک حضرت یحیٰی علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش ایک ہی طرز کی ہے:۔

اور پھر یہ وہ سورت ہے۔ جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بلا باپ پیدا ہونے کے عقیدہ کو لغو ٹھیرانے کا از سرِ نو ضمنی طور پر اعادہ فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ رکوع ۲ کی سولھویں آیت:۔

الغرض جس طرح اللہ تعالٰے نے اس سورت میں حضرت زکریا علیہ السلام کے دونوں عذروں کی صرف ایک علاج سے تلافی کر دی تھی۔ جیسا کہ (واصلحنا لہٗ زوجہ سے ظاہر ہے) اسی طرح اللہ تعالٰے نے حضرت مریم کے دونوں عذروں کی تلافی صرف ایک علاج سے کر دی۔ اور وہ یہ ہے (فنفخنا فیہا من روحنا)

اس جگہ ھا کا کلمہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ جو مریم کی ذات کے متعلق ہے۔ اور مریمؑ کے کسی خاص عضو کی طرف اس کا میلان نہیں ہے۔ گویا اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مریمؑ پر نفخِ روح ہوا اور اس کے عذر کی تلافی ہو گئی۔ یعنی وہ حاملہ ہو گئی:۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نفخِ روح کس قسم کا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح اُس کی بات کی تلافی کی:۔

دفعہ ۴۴

ہم اس بات کو دفعہ ۱۵ میں بھی لکھ آئے ہیں۔ اور اس جگہ دوبارہ لکھتے ہیں۔ کہ جس نفخِ روح کا ذکر اس سورت کی اس آیت میں ہے۔ اس کی تفہیم اور تعمیل کا ذکر کلام اللہ شریف کے دو دیگر مختلف مقامات میں بالتصریح موجود ہے:۔

جن میں ایک بطریق اجمال اور دوسری میں بطریق تفصیل مذکور ہے۔ اور اس میں بفضلہ تعالیٰ اس چوتھی آیت شریف کا مکمل حل لکھا جاتا ہے۔ جس کا ذکر ہم نے دفعہ ۱۸ میں کیا ہے (فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیاً) سورۃ مریم پارہ ۱۶ قال الم رکوع ۲ کی ساتویں آیت۔ دیکھو دفعہ ۱۸)

ہم موازنہ اور مقابلہ کرنے کے لئے ناظرین کی سہولیت کی خاطر دونوں مقاموں کو کالم بہ کالم لکھتے ہیں:۔

سورۃ تحریم پارہ ۲۸ رکوع ۲ کی آخری آیت	سورۃ مریم میں مریم کے بیان کا شروع
وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِينَ ۝	وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝
دوسری مثال عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے ان کے پیٹ میں اپنی قدرت سے ایک روح (کلام) پھونک دی۔ اور انہوں نے اپنے پروردگار کی کلام اور اسکی کتابوں کی تصدیق کردی	ترجمہ:- اور اے پیغمبر تو قرآن میں مریم کا مذکور بھی لوگوں سے بیان کرو کہ جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر پورب رُخ ایک جگہ جا بیٹھیں۔ اور لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح (کلام) کو ان کی طرف بھیجا۔ تو وہ اچھے خاصے مریم کے خاوند (جس کے مردانہ اعضا ساتھ تھے) کی شکل بن کر ان کے روبرو آکھڑے ہوئے۔ وہ ان کو دیکھ کر لگیں کہنے کہ اگر تم پرہیزگار ہو۔ تو میں تم کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں (کہ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ) اس پر وہ ممثل (مثالی خاوند) بولے کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں۔ تاکہ تم کو

اور وہ ہمارے فرماں بردار بندوں میں سے تھیں ۔	ایک پاک لڑکا بخشوں۔ وہ بولیں میرے ہاں کیسے لڑکا ہوسکتا ہے۔ حالانکہ نہ تو مجھے مرد نے مس تمدنی سے بہرہ یاب کیا اور نہ میں اپنے خاندان کی ناک کاٹنے والی ہوں (کہ اسی حالت میں اس سے صحبت کروں) اس نے کہا۔ اس طرح۔ تیرے رب نے کہا۔ کہ بیٹا پیدا کرنا ہم پر آسان ہے اور تاکہ لوگوں کے لئے ہم اس بیٹے کو اپنی نشانی بنادیں۔ اور وہ دنیا میں رحمت کا باعث ہو اور یہہ بات ہمارے ہاں فیصل ہوچکی ہے۔ پس اس بات کو مریم نے اٹھا لیا۔ اور اسے لیکر کہیں دور کے مکان میں جا بیٹھیں ۔

۱ اب ناظرین خود غور فرما سکتے ہیں۔ کہ ان دونوں مقاموں میں ایک ہی بیان کیا گیا ہے۔ اِدھر (ومریم ابنت عمران) ہے اُدھر (واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اهلها مکانا شرقیا) ہے۔ اِدھر (التی احصنت فرجها) ہے اُدھر (فاتخذت من دونهم حجابا) ہے۔ اِدھر (فنفخنا فیه من روحنا) ہے۔ اُدھر (فارسلنا الیها روحنا فتمثل لها بشرا سویا قالت انی... وکان امرا مقضیا) ہے۔ اِدھر (وصدقت بکلمت ربها وکتبه) ہے اور اُدھر (فحملته فانتبذت به مکانا قصیا) ہے۔ اور اِدھر (وکانت

من القانتین) ہے۔ ادھر (فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا) ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ جب مریم کو بشارت مل چکی۔ اور اس نے درگاہ ایزدی میں عذر بھی پیش کردیا۔ کہ میرے ہاں لڑکا کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خاوند مجھے اپنے گھر نہیں لیگیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس پر بذریعۂ الہام یہہ امر منکشف کردیا۔ کہ اس حالات میں مجامعت کا ہونا جائز اور ممکن ہے۔ اور اس کی ترکیب یوں فرمائی۔ کہ اس نے اپنے کلام اور ارادے کو انسانی جامہ پہناکر اس کے خاوند کی شکل پر لا کھڑا کیا۔ درحالیکہ وہ پورا مرد تھا (اور بالکل ننگا مادرزاد تھا) مریم کو ان کے دیکھنے سے استعجاب پیدا ہوا۔ اور وہ لاحول پڑھنے لگیں۔ لیکن اس کا مثالی خاوند کب ہٹنے والا تھا۔ اس نے آگے بڑھکر جھٹ کہدیا۔ کہ میں خدا کے حکم سے تیرے پاس آیا ہوں تاکہ (اپنے نطفے سے) تجھے بیٹا بخشوں۔ اس پر وہ مریم جو تاڑ گئی تھیں۔ کہ یہہ میرا حقیقی خاوند نہیں ہے۔ بلکہ عالم مثال میں صرف اس کا شبیہ ہے کہدیا بھلا میرے ہاں کیسے لڑکا پیدا ہوسکتا ہے۔ جب کہ میرا مرد مجھے گھر نہیں لیگیا (اور اس نے میرے ساتھ مقاربت نہیں فرمائی) اور نہ میں ایسی ہوں۔ کہ اپنے خانداں کے دستور کے خلاف (اس سے مقاربت کرنے کو دوڑ جاؤں) اس پر اس مثالی خاوند نے کہا۔ اس طرح دیکھ اے مریم تیرے خاوند کی اور تیری مقاربت ایسی حالت میں اس طرح مباح اور ممکن ہے (تیرا) پروردگار فرماتا ہے۔ کہ یہ بات مجھ پر آسان ہے۔ اور اس طرح بیٹا پیدا کرنے سے غرض یہہ ہے۔ کہ ہم دنیا میں ایک نمونہ قائم

کریں۔ اور اپنی رحمت کا سایہ لوگوں پر ڈالیں۔ اور ہم نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہوا ہے۔ اِس بات کو سمجھ کر مریم پھر دور کے مکاں میں چلی گئیں اللہ تعالےٰ نے اِس جگہ جو کچھ فرمایا ہے۔ اس میں تین باتیں غور کے قابل ہیں:۔

اوّل فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشراً سویّاً ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے (خدا تعالےٰ نے) مریم کی طرف اپنی کلام متمثل کر کے روانہ فرمائی۔ اور اس کی شکل ٹھیک اس کے خاوند کی سی تھی (جیسا کہ لھا بشراً سویا) سے ظاہر ہے۔ اِس جگہ بشر اور سویا دونوں الفاظ قابل غور ہیں۔ اور بشر سے مراد اس کا خاوند اور سویا سے مراد ایسا مرد ہے۔ جو فرشتوں کی طرح اعضائے رجولیت سے اور قوت رجولیت سے بے بہرہ نہ ہو۔ کیونکہ فرشتوں میں نہ مردوں کے سے اعضاے ہوتے ہیں۔ نہ عورتوں کے اور وہ سویا یعنی ثابت پورے اعضاؤں والے نہیں ہوتے۔ لیکن مریم کا بشر مثالی پورے اعضاؤں والا تھا۔ اور اس کے اعضاؤں کے پورا تندرست ہونے کا یقین مریم کو بھی تھا۔ اسی سبب سے بعض مفسر لکھتے ہیں کہ جب وہ مرد مریم کے پاس آیا۔ تو مریم برہنہ ہو کر نہا رہی تھی۔ اور وہ بھی برہنہ ہی اس کے پاس آگیا۔

دفعہ ۲۵

دوسری بات جو قابل غور ہے۔ وہ کذالک ہے۔ یہاں اللہ تعالےٰ نے عجیب صنعت رکھی ہے۔ کہ کذالک کے بعد وقفہ ہے

جس کے تین مطلب ہیں (۱) اول تو یہہ کہ فرشتے نے کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ دوم
جو عذر تو نے درگاہ الٰہی میں میرے آنے سے قبل کیا تھا۔ یا کر چکی ہے۔
(جیساکہ سورۃ آل عمران کے آیۃ سمیتہا سے ظاہر ہے۔ اور جس کی
تشریح ہم اوپر لکھ آئے ہیں) اس کا مطلب میں تمہیں سمجھانے آیا ہوں کہ
اس حالت میں تجھے مرد سے مقاربت کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور
اس صورت میں ممکن ہو سکتا ہے۔ تیسرے اس کو وہ بات اشارے
سے بھی سمجھا گیا۔

اس تیسری بات کا ثبوت یہہ ہے۔ کہ کذالک کے بعد کلام
مجید میں وقفہ ہے۔ اور اتنا ہی فقرہ ہے۔ اس کا فعل فاعل نہ دار د ہے
اس لئے ہمارا اختیار ہے۔ کہ اس کے تمام ممکن معنے اس جگہ چسپان کر
لیویں۔ اور ان ممکن معنوں سے ایک معنے یہہ بھی ہیں۔ کہ اس مرد مثالی
نے اشاروں سے اور نمونوں اور حرکات سے سکنات سے اعمال سے
افعال سے مثالوں سے نمونوں سے اسے کچھ سمجھا دیا۔ اور اس کی
علت غائی بھی بیان فرما دی۔ کہ چونکہ اللہ تعالےٰ کو منظور ہے۔ کہ وہ
اپنی پیشینگوئی کو پورا کر دکھائے۔ اس لئے اس نے مجھے تیرے پاس بھیجا
ہے کہ میں تجھکو پیشینگوئی ہاتھ سے پورا کرنے کی ترکیب سمجھا دوں۔ اور
اس بات کے کرنے سے کوئی عذاب نازل نہیں ہوگا۔ بلکہ اس مثال کے قائم کرنے
سے دنیا میں ایک رحمت نازل ہوگی۔

تیسرے فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیًا کے فقرے قابل

مخمور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں بھی اپنی قادر الکلامی کا ثبوت
بہم دیا ہے۔ کہ صَدَّقَتْ کے مقابل پر حَمَلَتْ کا لفظ فرمایا ہے۔ جس
سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس طرح صَدَّقَتْ کا فعل ایک فعل
اختیاری کا اظہار فرما رہا ہے۔ اسی طرح فحملته کا فعل بھی فعل
اختیاری ہونا چاہئے۔ اور امکانی طور پر اس کے دو ہی معنے ہیں۔ ایک
تو یہ کہ مریم نے اس کلام کو اٹھا لیا۔ اور مان لیا۔ اور راضی ہو گئی۔ کہ
میں مرد مثالی کی ہدایت کے مطابق عمل کروں گی۔ اور اس بات کے
پورا کرنے کے لئے پھر وہ حقیقی خاوند کی مقاربت حاصل کرنے کے
لئے کسی دور کے مکان میں چلی گئی۔ جیسا کہ حرف ف کے معنوں سے
ظاہر ہے۔ اور اس بات کا ثبوت کہ حَمَلَ کے یہ معنے بھی ہوا کرتے
ہیں۔ کلام اللہ شریف کے پارہ ۲۲ وَمَنْ يَّقْنُتْ سُوْرَةُ الْاَحْزَاب کے
رکوعِ کی پانچویں آیت میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ درج
فرمائے ہوئے ہیں:-

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ لِّيُعَذِّبَ
اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۧ

دوسرے اس کے معنے یہ بھی ہیں۔ کہ جب [illegible] اپنے خاوند کے پاس جا کر اس
نے الہام کے منشا کے بموجب اس سے حمل کرا لیا۔ تو پھر حمل کرا کر

وہاں سے بھی آگے چلی گئی۔ (جیساکہ انجیل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اس بات کا اشارہ آگے آتا ہے)۔

خلاصہ

دفعہ ۴۶

جو کچھ ہم کو لکھنا تھا۔ وہ بفضل خدا ہم لکھ چکے ہیں۔ اب ناظرین سے التماس ہے۔ کہ وہ ان استدلالات کو غور سے مکرر سہ کرر پڑھیں اور ان پر خوب تدبیر فرماویں۔ اس طرح ان کو معلوم ہوگا کہ دو زبردست آیات میں موجودہ عقیدے کا منفی بیان ہے۔ اور ضمنی طور پر اشارۃً فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالے کا منشا کیا ہے اور وہ دونوں مقامات یہہ ہیں:۔

(۱) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔

(۲) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۔

ان میں یہہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ کہ اللہ تعالی کا کوئی بیٹا ہو۔ اور ان یہودیوں پر لعنت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جو مریم پر بہتان باندھتے تھے۔ ان دونوں آیات کو یکجائی طور پر سوچنے کے بعد یہہ [illegible] نکلتا ہے۔ (جبکہ ادھر سے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ اور ادھر سے اللہ تعالے فرماتا ہے۔ کہ مریم پر بہتان باندھنے والوں پر اللہ تعالے لعنت ڈالتا ہے) کہ اگر اللہ تعالے کا منشا

اس کو بن باپ کے پیدا کرنے کا ہوتا۔ تو اس کی تین ہی صورتیں تھیں کہ ایک تو آپ اس کا باپ بنتا۔ یہہ صورت پہلی سورۃ کے روسے ناممکن ہے۔ دوسرے یہہ کہ مریم بدکار ہوتی۔ یہہ صورت دوسری آیت کے روسے ناممکن ہے۔ تیسرے یہہ کہ وہ خدا کی قدرت سے پیدا ہوئے ہوئے سمجھے جائیں۔ اس صورت کو سورت اخلاص اور آیت لعنت بہئیت مجموعی کہا جاتی ہے۔ کیونکہ اول تو قدرت سے خود بخود پیدا ہونا اور خدا کے حمل سے پیدا ہونا مخالف کے لئے ایک ہی بات ہے۔ کیونکہ قدرت خدا اور خدا دونوں غیبی باتیں ہیں۔ اور دوسرے خدا کو مفتی ہونیکی حیثیت میں (اور بنا براں ہمیں یہودیوں کو دلائل سے مغلوب کرنے میں) کوئی حق نہیں پہنچ سکتا۔ کہ ہم ان پر یہہ فتوے جاری کریں۔ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا۔

پس ان دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ضرور بالضرور مریم کا خاوند ہونا چاہئے۔ اگر ان میں سے ایک آیت (وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا) نہ ہوتی۔ تو ہم ایسا خیال کرنے کے مجاز تھے۔ کہ اعتقاد کے طور پر مان لیتے کہ بیشک حضرت عیسیٰؑ قدرت سے ہی پیدا ہوئے ہونگے۔ لیکن جب اس بارے میں عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا کا فتوے جاری ہو چکا ہے۔ تو بحیثیت مفتی ہونے کے خدا کا حق نہیہ [illegible] بنتا۔ کہ وہ ہمیں اس بات کے ماننے پر مجبور فرماوے کہ ضرور [illegible]م عیسیٰ کو محض محض قدرت خدا سے ہی پیدا ہوا ہوا سمجھ لو:-

اسی طرح دو زبردست آیات میں اللہ تعالےٰ نے مثبت طور پر اس کا بیان فرمایا ہے۔ اور وہ دونوں مقامات یہ ہیں :۔

(۱) وصدقت بکلمات ربھا وکتبہ وکانت من القٰنتین ۔

(۲) فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا ۔

ان دونوں آیات سے اس عقیدے کے مثبت پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ جن میں سے پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مریم نے الہام الٰہی کو اپنے ہاتھ سے پورا کیا اور دوسری سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُس نے اپنے خاوند سے اُس حالت میں حمل کرا لیا۔ جبکہ اس کی شادی تو ہو چکی تھی لیکن اُس کا خاوند اُس کو اپنے گھر نہیں لے گیا تھا۔ اور ایسا کرنے سے مریم قوم کے نزدیک باغی ٹھیرائی گئی تھی۔ جیسا کہ اس کی قوم نے طعنہ مار کر کہہ بھی دیا تھا۔

فاتت بہ قومھا تحملہ قالوا یٰمریم لقد جئت شیئا فریا۔ یا اخت ھارون ما کان ابوک امرأ سوء وما کانت امک بغیا ۔

ترجمہ :- اس پر مریم علیہا السلام اپنے بیٹے کو اپنی قوم کے پاس اٹھا لائیں۔ اور وہ دیکھکر کہنے لگے کہ مریم تو نے بہت ہی نالائق کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا۔ اور نہ تیری ماں بری عورت تھی۔ (تو خلافِ خاندان تو یہ کیا حرکت کر بیٹھی یہ تیرا بیٹا تیرے کس کام آئے گا)

دفعہ ۴

اس جگہ مریم کی قوم نے ضمنی طور پر مریم کو [illegible] اور بغی کے لفظ سے ملقب کیا۔ اگر اس جگہ بغی کے معنے کنچنی کے کئے جائیں تو معاذ اللہ مریم پر قوم کی طرف سے بہتان لگانا ثابت ہوتا ہے اور پھر خدا کو حق پہنچتا ہے۔ کہ ؎

سرچشمہ باید گرفتن بہ بیل
چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل

کے مطابق یہاں ہی مریم کی قوم کو لعنتی ٹھیراتا۔ مگر اس نے مریم کو بات کرنے سے بھی روک دیا ہوا ہے۔ اہاہاہا۔ اہوہوہو:-

کیا خدا عمداً زبردستی یہودیوں کو لعنتی بنانا چاہتا ہے:

پس یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی۔ کہ بغی کے معنے یہاں کنچنی کے نہیں ہیں۔ صرف اتنی بات ہے۔ کہ اس پاک خاندان میں جو مستحبات میں نوافل میں بھی بڑی سرگرمی و کوشش سے اللہ تعالے کی احکام کی خوشنودی حاصل کرنے والا تھا۔ یہ امر کہ مریم نکاح کے بعد اور خاوند کے گھر میں جانے سے پہلے ہی خاوند سے حمل کرائے ان کے ہاں معیوب تھی۔ اور انکے خاندان کی ناک کاٹنے والی بات تھی اور بس۔ پھر قوم کی تسلی اللہ تعالے نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یوں فرمائی:-

فَاَشَارَتْ اِلَیْہِ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ۝ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۝

سورۃ مریم رکوع ۲ کی آیات ۱۳ و ۱۵ او ۱۶ وغیرہ جن کا مطلب یہ ہے

(جب قوم نے اصرار کیا۔ تو مریم آپ نہ بولی) اور اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا (کہ اسی سے پوچھ لو) قوم نے کہا کہ ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولے۔ میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عنایت فرمائی ہے۔ اور مجھے نبی بنایا اور کہیں بھی رہوں (خواہ یہاں تمہارے پاس خواہ اپنے باپ کے گھر میں) اس نے مجھے بابرکت کیا۔ اور اس نے مجھے حکم دیا کہ عمر بھر نماز پڑھاؤں اور زکوٰۃ دیا کروں۔ اور اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمتگزار بنایا (اے میری ماں کی قوم تو مت ڈر۔ میں اپنی ماں کو چھوڑ کر کہیں بھاگ جانے والا نہیں ہوں) اور مجھے اس نے سخت گیر اور بدراہ نہیں بنایا۔ اور مجھ پر میری پیدائش کے دن بھی خدا کی امان ہے۔ اور میری وفات پانے کے دن بھی امان ہے۔ اور اس دن جبکہ میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھا کھڑا کیا جاؤں گا۔ اس دن پر بھی خدا کی امان ہے۔

ناظرین اس مقام پر اس جواب سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ قوم کے پاک لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیسی عمدگی سے قائل

کرا دیا۔ اور وہ کیسے قائل ہوئے۔ کہ ہوں تک نہیں کی۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی پیدائش کو بھی نیک ثابت کر دیا۔ اور اُن کی تسلی بھی کر دی۔ کہ میں اپنی ماں کا خدمت گزار رہوں گا۔ اور کہا۔ کہ اے میری ماں کی قوم تو میری طرف سے مریم کا فکر مت کر۔ اُس کی خدمت کا میں ذمہ وار ہوں۔ (چنانچہ واقعہ صلیب کے وقت بھی اس نے اپنی ماں کے بارے میں اپنے ایک شاگرد کو اپنی ماں کا متکفل ہونے کی وصیت فرمائی تھی۔ جیسا کہ انجیل شریف میں لکھا ہے۔ اور پھر کلام اللہ شریف میں لکھا ہے۔ وکانا یاکلان الطعام۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ اکٹھے بھی روٹی کھایا کرتے تھے)

اس مقام پر یہ بات سوچنے کے قابل ہے۔ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دلائل کے ساتھ اپنی پیدائش کی بریت نہ فرماتے۔ تو قوم انہیں اسی وقت زندہ درگور کر دیتی۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کی پیدائش مبارک تھی۔ اس جگہ اس وہم کا ازالہ خود بخود ہو جاتا ہے۔ جو بعض لوگوں کے دل میں کھٹکتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنی ماں کا خدمتگزار ہونے کا بیان کیوں فرمایا ہے:۔

جواب صاف ہے۔ جس حال میں قوم بھی مریم کی قوم سے اور فکر بھی مریم کی قوم کو لاحق ہوا ہوا ہے۔ کہ ایسی عجیب پیدائش والے بچے کا حال سن کر کون مریم کی خدمت گزاری کرے گا۔

جبکہ بیٹا بھی ماں کا بیٹا ہونے سے کترائے گا۔ اور لوگ بھی مریم کو طعنہ دیں گے۔ کہ تو نے کیوں خاوند کے گھر میں لیجائے جانے سے پہلے ہی اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اب وہ خدا جانے لوگوں کے ڈر کے مارے تیری اور تیرے بچہ کی پرورش اچھی طرح کرے یا نہ کرے (جیسا کہ انجیل میں میں لکھا ہے۔ اس پر اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا۔ نہ چاہا کہ اُسے تشہیر کرے۔ اس نے ارادہ کیا۔ کہ اُسے چپکے سے چھوڑ دے پر جب ان باتوں کی سوچ ہی میں تھا۔ تو دیکھو خداوند کے فرشتے نے اس پر خواب میں ظاہر ہو کے کہا اے یوسف داؤد کے بیٹے اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے مت ڈر۔ کیونکہ جو اس میں پیدا ہوا۔ روح القدس سے ہے)

نوٹ

اس جگہ اپنی جورو کا لفظ جو فرشتے نے بولا۔ قابل غور ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرشتہ بھی یوسف اور مریم کا مقاربت کرنا مانتا تھا۔ ورنہ وہ یہہ لفظ (اپنی جورو) نہ بڑھاتا :۔

اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر ضروری ہوا۔ کہ وہ مریم کی قوم کے سامنے کم از کم اپنی ماں کا خدمتگزار رہنے کا اقرار تو کر دے تاکہ قوم کو تسلی ہو۔ اور ان کو مریم کی خدمت وغیرہ کی طرف سے اطمینان تو ہو جائے۔ حضرت عیسیٰ نے چونکہ یہہ کلمہ اور اقرار ایک سوال کے جواب میں فرمایا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا۔ کہ اس کا جواب بھی اسی

قدر ہو۔ جس قدر کہ سوال ہے۔ چونکہ قوم کو اس بات کا فکر بھی نہیں ہے کہ وہ یوسف کی خدمتگزاری کا بھی فکر کرنے لگ جائیں۔ اس لئے انہوں نے مریم ہی کی خدمتگزاری کا اظہار اشارۃً حضرت عیسیٰؑ پر کیا ہے۔ اور اسی کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اپنی ماں کی خدمتگزار ہونے کا اور رہنے کا حال سنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے برًا بوالدتی کا کلمہ بولا ہے۔ کیونکہ اس موقع پر اتنا ہی ضروری تھا۔

آخری التماس

دفعہ ۸۴

آپ ناظرین صاحبان سے آخری التماس ہے۔ کہ میں نے نہایت اختصار کے ساتھ عجلت اور شتاب روی کی وجہ سے اپنی کتاب کا خلاصہ کر کے جو ایک ہزار صفحے کی کتاب ہے۔ موٹی موٹی باتیں بیان کر دی ہیں۔ اور زیرکوں سعید الفطرتوں کے لئے کافی ہیں۔ لیکن ہم التماس کرتے ہیں۔ کہ آپ اسی مسئلے کو انجیل میں بھی دیکھنے کی کوشش فرماویں۔ جیسا کہ میں نے بھی اپنی بڑی کتاب میں اس مسئلہ کو نہ صرف قرآن شریف سے بلکہ انجیل شریف سے بھی مفصل۔ واضح اور مدلل طور پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کی صلب سے تھے۔ اور اس جگہ ہم بتا دیتے ہیں۔ کہ جس طرز اور طریقے سے اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو قرآن

شریف میں فرشتوں کی ننگی تلوار کے پہرہ کے اندر بیان فرمایا ہے۔
اور قرآن میں تدبر نہ کرنے والے لوگ اصلی اور صحیح مسئلہ سمجھ ہی نہیں
سکتے۔ یہی طرز انجیل شریف میں بھی اختیار فرمائی گئی ہے۔ ہاں اتنا
فرق ہے۔ کہ قرآن شریف میں تو سارے دلائل منفی اور مثبت
یعنی سلبیہ اور ثبوتیہ دونوں دیئے گئے ہیں۔ تاکہ چوں و چرا کی کوئی
گنجائش ہی نہ رہے۔ لیکن انجیل شریف میں صرف مثبت دلائل
ہی ہیں۔ چنانچہ ادھر سے آیت لم یلد ولم یولد اور ادھر سے وقولھم
علیٰ مریم بھتانا عظیما کے مقابل پر انجیل شریف میں کوئی آیت نہیں
ہے۔ اور لم یمسسنی بشر کے مقابل پر اتنا موجود ہے۔ کہ "میں مرد
کو نہیں جانتی"۔ لیکن اس کا اصلی مفہوم ظاہر کرنے کے لئے جو اللہ
تعالیٰ نے قرآن شریف کے ایک دوسرے مقام پہ جیسے سے ولم
اک بغیا کا فقرہ درج کر دیا ہے۔ اس کے مقابل پر انجیل شریف
میں کوئی فقرہ نہیں ہے۔

لیکن اور سب باتوں میں انجیل شریف اور قرآن شریف کی طرز ایک ہی
ہے۔ اور دونوں کتابوں میں اکثر مقامات پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نرالی پیدائشوں کا ذکر اکٹھا کیا گیا ہے۔ اور جو
الفاظ یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ وہی حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ اور جو کارروائیاں
حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ وہی حضرت مریم کی طرف منسوب

کیگئی ہیں اور اِس طرز کو نہ صرف قران شریف نے احسن طریقے سے نباہا ہے (جیساکہ ہم سورت مریم کی تفسیر کرتے وقت اشارۃً اوپر کچھ بیان کر بھی آئے ہیں) بلکہ انجیل شریف نے بھی اسے نہایت عمدہ طریقے سے نبھایا ہے۔ چنانچہ منجملہ دیگر باتوں کے ایک یہہ بات بھی غور کے قابل ہے :-

حضرت مریم کا حال	حضرت زکریاؑ کا حال
مریم نے (فرشتے کو) کہا دیکھ خداوند کی باندی میرے لئے تیرے کہنے کے موافق ہووے۔ اور فرشتہ اس کے پاس سے چلا گیا۔ اور انہیں دنوں مریم اٹھکر جلدی سے کوہستان میں یہودا کے ایک شہر کو گئی۔ اور زکریا کے گھر میں داخل ہو کے الیسبات کو سلام کیا :-	اور ایسا ہوا کہ جب اس کی خدمت کے دن پورے ہوئے۔ وہ اپنے گھر گیا۔ اور ان دنوں کے بعد اس کی جورو الیسبات حاملہ ہوئی :-

اِس مماثلت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا کے اپنے گھر میں جانے سے انجیل شریف نے جس واقعے کا شرم کے مارے اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ اسی واقعہ کا مریم کے کوہستان کے ایک شہر میں جانے سے اشارۃً ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ جبرئیل فرشتے نے حمل ہونے کے بارے میں مریم کو سمجھا دیا تھا۔ کہ روح القدس تجھ پہ اتریگی۔ اور خداتعالےٰ کی قدرت

کا سایہ تجھ پر ہوگا۔ اور اُس سبب سے وہ قدوس بھی جو پیدا ہوگا۔ خدا کا
بیٹا کہلائیگا" اور روح القدس کے اترنے کا حال قرآن شریف میں بتفصیل
درج ہے۔ اور انجیل شریف میں اس کی کوئی صراحت نہیں۔
الغرض کیا انجیل شریف اور کیا قرآن شریف دونوں میں اس واقعہ
کا بوجوہ احسن ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ان میں اگرچہ الفاظ مختلف ہیں۔ زبانیں
مختلف ہیں۔ طرز بیان مختلف ہے۔ اپنے اپنے موقع پر فصاحت بلاغت دونوں
میں ہی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ دونوں ہی میں اجمال اور تفصیل کے
ساتھ یہ واقعہ درج کیا گیا ہے۔ یعنی کمال فصاحت اور حکمت عملی سے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا قصہ بیان بھی کیا گیا ہے۔ اور چھپا
بھی لیا گیا ہے۔ انجیلوں کے بیان کا تو یہ حال ہے۔ کہ انجیلیں چار ہیں۔ اور
اس واقعہ کے متعلق اظہار و اخفا میں ایک عجیب طرز اختیار کی گئی ہے
ایک واقعہ کی تفصیل ایک انجیل میں ہے۔ تو دوسری میں یا تو بالکل
نہیں۔ یا اس کا صرف اجمالی بیان ہے۔ تیسری میں طرز ہی روحانی
ہے۔ چوتھی میں اس کی جسمانی شکل بیان فرمائی گئی ہے۔ گویا چاروں
انجیلیں حروف ابجد کا قفل ہیں۔ اگر ہیئت مجموعی بعد تدبر و کاوش ان
پر غور فرماویں۔ تو اصلی مسئلہ سمجھ میں آتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ اگر کوئی
جلد باز ان میں سے فرداً فرداً ایک ایک انجیل کو پڑھے۔ تو اسے معلوم
ہوگا۔ کہ سچ مچ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بلا باپ ہوئی۔ اور
اگر کوئی آدمی کامل تدبر اور کاوش کے ساتھ پڑھے۔ تو اس پر اصل

مسئلے کی حقیقت کھل گئی۔ گویا جو کام گورنمنٹیں خفیہ پولیس سے لیتی ہیں۔ وہی کام اللہ تعالیٰ نے تعددِ اناجیل سے لیا ہے۔

یہی طرز قرآن شریف نے اختیار فرمائی ہے۔ اس میں جابجا مختلف موقعوں پر اس واقع کو عجیب انداز سے بیان فرمایا ہے۔ کہیں اجمال ہے کہیں تصریح ہے۔ کہیں تفصیل ہے۔ کہیں توضیح ہے۔ کہیں تشریح ہے اور عجیب شان کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس جگہ ہم نے طوالت کے خوف سے آیات کے شانِ نزول اور سیاق اور سباق کا کامل ذکر نہیں فرمایا۔ اور اختصار کی وجہ سے جلدی جلدی لکھ دیا ہے۔ لیکن اگر سیاق و سباق کا بھی کامل ذکر کیا جاوے۔ تو اللہ تعالیٰ کی قادر الکلامی اور اعجاز بیان پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ کیونکہ جس غرض سے جس قدر ٹکڑے کا بیان جس جس موقع پر کیا گیا ہے وہاں اتنا ہی مناسب ہے۔ مثلاً سورۃ تحریم میں جہاں مریم علیہا السلام کے نفخ روح کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا منشا حضرت محمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو جنہوں نے پیغمبر صاحب کے کسی راز کا افشا کر دیا تھا۔ نصیحت کرنا منظور ہے۔ اور وہاں چار عورتوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ حضرت نوحؑ کی بیوی کی جو غرق ہو گئی تھی۔ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی جو کھمبا نمکین تھی۔ اور فرعون کی نیک بی بی کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرمائی تھی۔ اور مریم کی جس نے اپنی عصمت کو نگاہ رکھا تھا۔

پھر ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ جس قدر اس تکرار سے اس

مسئلے کے متعلق کلام اللہ شریف میں پائے جاتے ہیں۔ وہ تمام کے تمام انجیل شریف میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جس طرح قرآن شریف میں روحانی حمل اور جسمانی حمل کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ایسا کرنے میں اللہ تعالے نے قرآن شریف میں استعاروں کو برتا ہے۔ اسی طرح انجیل شریف میں نہ صرف حمل جسمانی کی اصطلاح کا ذکر ہے۔ بلکہ حمل روحانی کی اصطلاح کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ (رسولوں کے اعمال کتاب یعقوب باب اوّل آیت ۱۵) سو خواہش جب حاملہ ہوئی۔ تب گناہ پیدا کرتی ہے۔ اور گناہ جب تمامی کو پہنچا۔ موت کو جنتا ہے۔

سو اسی اصطلاح کے بموجب جناب مسیح علیہ السلام نے نہ صرف روحانی حمل کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ حمل جسمانی کا بھی اشارۃً۔ اور عجیب انداز سے کیا ہے۔ توریت شریف میں ایک جگہ آتا ہے۔ تو اپنے باپ کی برہنگی یا اپنی ماں کی برہنگی ظاہر نہ کر کہ وہ تیری ماں ہے احبار باب ۱۸ آیت ۷۔

اور پھر توریت شریف میں حضرت نوح علیہ السلام کی بابت ذکر ہے۔ کہ آپ نے اپنے ایک بیٹے کنعان کو اس وجہ سے بد دعا دی کہ اس نے آپ کی برہنگی نہ چھپائی تھی۔ جیسا کہ توراۃ پیدائش باب ۹ آیت ۲۲ لغایت ۲۷ میں درج ہے۔ اور دوسرے کو دعا دی جس نے برہنگی پر پردہ ڈالا تھا۔ اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو ننگا دیکھا۔ اور اپنے دونوں بھائیوں کو جو باہر تھے۔ خبر دی۔ تب سام اور یافت نے

ایک کپڑا لیا۔ اور اپنے دونوں کاندھوں پر دھرا۔ اور پچھلے پاؤں جا کے اپنے باپ کی برہنگی کو چھپایا۔ پر ان کی پیٹھ اُن کی طرف تھی۔ کہ انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی کو نہ دیکھا۔ جب نوح اپنی مے کے نشے سے ہوش میں آیا۔ تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ معلوم کیا تب وہ بولا۔ کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔ پھر بولا۔ خداوند سام کا خدا مبارک۔ اور کنعان اس کا غلام ہوگا۔ خدا یافث کو پھیلا دے۔ اور وہ سام کے ڈیروں میں رہے۔ اور کنعان اس کا غلام ہووے۔

اس مقام پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہے۔ کہ ماں یا باپ کی مباشرت کا ذکر کرنا یا ان کی ننگی باتوں کا ظاہر کرنا بھی بیحیائی میں داخل ہے۔ اور روح القدس کی تلقین کے بالکل برخلاف ہے:۔

اسی کے مطابق رسولوں کے اعمال میں بھی درج ہے (رسولوں کے اعمال۔ افسیوں باب ۵ آیات ۳) (اور حرامکاری اور ہر طرح کی ناپاکی یا لالچ کا تم میں ذکر تک نہ ہو۔ جیسا کہ مقدس لوگوں کو مناسب ہے) پس اسی اصول پر انجیل کا وہ مقام جہاں لکھا ہے۔ کہ اُن کے اکٹھے آنے یا اکٹھے ہونے سے پیشتر مریم حاملہ پائی گئی"۔ یہاں اکٹھا ہونا خلوت صحیحہ سے مراد نہیں ہے کیونکہ ان کی خلوت صحیحہ کا بیان کرنا روح کی تعلیم کے خلاف ہے۔ یہاں اکٹھا ہونے سے مراد ان کا تمدنی طور پر اکٹھا ہونا ہے۔ یعنی گھر میں آباد کرنا۔ جس میں خلوت صحیحہ عام طور پر ہوا کرتی ہے۔ بیویوں

میں بلا خوف و خطر کیجا سکتی ہے۔ اور گھر میں آباد کرنے سے پہلے بھی خلوت صحیحہ جائز ہے۔ لیکن عام طور پر معیوب گنی جاتی ہے۔ گو خدا کے نزدیک معیوب نہیں :-

پس انجیل شریف میں اسی توجیہ کی بنا پر یوسف اور مریم کی مجامعت کا ذکر نہایت لطیف پیراؤں اور استعاروں سے کیا گیا ہے۔ جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ اور یہی فتویٰ قرآن شریف کا ہے کہ لا یمسہ الا المطہرون :-

ہم نے ان تمام حالات کو مفصل طور پر اپنی بڑی کتاب میں لکھکر ثابت کیا ہے۔ کہ اس بارے میں قرآن شریف اور انجیل شریف بالکل ایک ہی منبع سے نکلی ہوئی ثابت ہوئی ہیں۔ اور یہہ ممکن ہی نہیں۔ کہ کوئی انسان اس قدر مختلف شان نزول کے ساتھ ایک مکمل قصہ بہیئت مجموعی بیان کرے۔ کیونکہ جن واقعات کی بنا پر اس خاص قصے کا نازل ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ وہ انسان کی احاطۂ قدرت سے باہر ہیں۔ ایک عائشہؓ کے بہتان کا قصہ ہی خیال میں لاؤ۔ کیا اللہ تعالےٰ نے عبث ہی اپنے پیغمبر کے حرم میں اس کا وقوع میں آجانا ضروری خیال فرمایا تھا۔ اور کیا اس واقعہ سے مومن لوگ سبق نہیں سیکھ سکتے۔ کہ حضرت محمد صاحب نے جو چند دن حرم محترم سے سلسلۂ کلام و اختلاط منقطع کر لیا تھا۔ اور اسی طرح اپنی فطرت صحیحہ کا اظہار کیا تھا۔ کیا یہہ قصہ موجودہ غلط عقیدے کی بنیاد پر بہتان مریم کے جواز کے بارے میں کوئی روشنی نہیں ڈالتا ہے۔

دفعہ ۴۹

الغرض قرآن شریف اور انجیل مقدس کی یہہ ساری باتیں ایسی ہیں۔ کہ ان میں تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں ہی الہامی کتابیں ہیں۔ اور ان کی شدید مماثلت اس بات کو بالبداہت ثابت کرتی ہے۔ کہ دونوں ہی ایک چشمے سے نکلی ہوئی ہیں۔ پس اگر انجیل شریف کلام الٰہی ہے۔ تو قرآن مجید بھی کلام الٰہی ہے۔ اور اگر قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ تو انجیل شریف بھی ہے:۔

ہم نے اشارتاً اس بات کا تذکرہ کر دیا ہے۔ کہ تلوار کے اٹھانے کی پیشینگوئی جو بوجۂ احسن قرآن کریم کے نزول کے زمانے میں نہ صرف پوری ہوئی۔ بلکہ قرآن کا ایک پہلو اس کو جلالی رنگ میں پیش کر کے اپنی صداقت کا معیار ٹھہراتا ہے:۔

پھر دونوں کتابوں یعنی انجیل شریف اور قرآن شریف کی تعلیم کا چرچا آج تک چلا آتا ہے۔ اور بوجۂ احسن چلا آتا ہے۔ اور ان دونوں کے نزول کے مدت میں کوئی چھ سو سال کا فرق اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ یہہ دونوں مختلف کتابیں کسی متبنی نے افترا کے طور پر تحریر نہیں فرمائی ہیں۔ بلکہ اس اتحاد سے ان کا منجانب اللہ ہونا بوجہ احسن ثابت ہے۔ اور کسی دہریہ کو بھی یہہ شک نہیں رہتا۔ کہ یہ کتب انسانی افترا نہیں ہیں:۔

اور پھر اگر اس بات کا خیال کیا جاوے۔ کہ حضرت محمد صاحب

کوئی فاضل اجل نہیں تھے۔ نہ کوئی شاعر تھے۔ آج حدیثوں میں آپکی کلام
موجود ہے۔ اور حجم میں آپ کی حدیثیں کلام اللہ شریف سے کوئی دس
گنا موجود ہیں۔ اُن کے کسی ایک فقرے میں بھی وہ شوکت۔ وہ سطوت وہ
فصاحت۔ وہ بلاغت۔ وہ قادر الکلامی نہیں ہے۔ جتنی کہ قرآن کریم کے
ایک چھوٹے فقرے میں ہے۔ ہمارا ارادہ تھا۔ کہ صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم
کے معنے مکمل طور پر لکھکر ثابت کرتے لیکن پھر بھی اختصار کے طور پر لکھتے
ہیں۔ کہ کس طرح قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے عیسوی تثلیث کو
توحید کا جامہ پہنایا ہے۔ (اللہ۔ اس کا ذاتی نام ہے۔ الرحمن۔ اس کا پہلا
وصفی نام ہے۔ اور اس وصف کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ
مخلوقات پر بلا خیال عوضانہ و شکرانہ اپنا سایہ رحمانیت و فضل ڈالتا ہے
جسکو عیسوی اصطلاح میں ابنیت الٰہی کے نام نامی سے پکارا گیا ہے
جیسا کہ قرآن نے بھی وقالوا اتخذ الرحمن ولدا لکھکر اس بات کا ثبوت دیا ہے
کہ عیسائی صاحبان عیسیٰ کو رحمن کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور انجیل میں بھی
آتا ہے "خداوند خدا نے دنیا سے ایسا پیار کیا۔ کہ اُسے اپنا اکلوتا بیٹا بخشا"۔
اور پھر الرحیم اس کا دوسرا وصفی نام ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنی مخلوقات
پر اس وقت رحم فرماتا ہے۔ جب کہ اس کو انکے اعمال کے بدلے انپر خاص
الخاص فضل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس نے تمثیل کے طور پر حضرت
مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا بھی ہے ومریم ابنت عمران
التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا وصدقت بکلمت ربها وکتبه

فکانت من القنتین۔ کہ اس پر نفخ روح محض اس وجہ سے کیا گیا کہ
اللہ تعالےٰ کو اسکی پاکبازی پسند آئی۔ خدا تعالےٰ کے اس وصفی نام کو
انجیل شریف میں روح القدس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ گویا جو مطلب
باپ بیٹے۔ روح القدس کا ہے۔ وہی اللہ۔ الرحمن الرحیم کا ہے۔ لیکن
موخر الذکر اصطلاحات صرف خاص الخاص لوگوں کو سمجھ میں آسکتی ہیں
اور نا پاک لوگوں کے خیال میں شرک مجسم کا جامہ پہن لیتی ہیں۔ اس لئے
اللہ تعالےٰ نے اپنی آخری کتاب میں یعنی قرآن شریف میں ان اصطلاحات
کو ترک ہی فرما دیا ہے۔ اور پھر سورۃ الحمد کے ابتدا ہی میں دنیا کے دوسرے
بڑے سلسلہ مذہب یعنی (ہندو۔ بودھ۔ جین۔ آریہ۔ سناتن وغیرہ
کے متفق علیہ مسئلہ) تناسخ کی اصلیت کا پتہ دیا ہے۔ (اور بتایا ہے کہ
تناسخ کی کیا حقیقت ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی آیات میں اللہ تعالےٰ نے اپنے ذاتی نام کے بعد اپنی
چار صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہی صفات دنیا کا کارخانہ
چلا رہی ہیں :۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ :۔ ہر آن ہر مکان میں کل دنیا کے تمام نظاموں کا
پرورش کرنا اس کا کام رہے :۔

اَلرَّحْمٰنِ :۔ ہر آن ہر مکان میں کل کائنات پر بلا خیال معاوضہ
احسان فرماتا ہے :۔

اَلرَّحِیْمِ :۔ ہر آن اور ہر مکان میں کل کائنات کے افراد کو انکے

نیک اعمال کا نیک نتیجہ بخشتا ہے:۔

ذٰلِكَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۔ ہر آن اور ہر مکان میں کل کائنات کے افراد کو نہ صرف نیک و بد اعمال کا نیک و بد نتیجہ بخشتا ہے۔ بلکہ بُرے اعمال اور نیک اعمال کے تسلسل کا اور اُن کے نتائج کا بھی وہ محافظ اور مالک ہے:۔

اِس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ دنیا کا نظام موجودہ اپنے واقعات قدیمہ کا معلول ہے۔ اتفاق حسنہ۔ اعمال حسنہ حیثیت حسنہ کی گوناگونی سے جو اِس وقت دنیا کے طبقے پر انسانوں کے افراد میں ان کی نیک و بد حالت کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان سب کی تہ کے اندر یہہ چاروں صفتیں بہیئت مجموعی کام کر رہی ہیں۔ پس موجودہ ہیئت دنیا کی علت خدا تعالےٰ کی اُن چاروں صفتوں کا بہیئت مجموعی جلوہ افروز ہونا ہی ہے۔ نہ کہ مفروضہ تناسخ۔ کیونکہ انسان قدیم نہیں ہے۔ اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت یحییٰ کو فرماتا ہے۔ انی خلقتك من قبل و امتك شيئاً (اور انجیل شریف میں بھی آتا ہے۔ ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا:۔ یوحنا باب اول آیت ۱)

یا یوں کہو کہ انسانوں کے مدارج میں جو موجودہ اختلاف نظر آتا ہے اُسکی یہہ وجہ نہیں ہے۔ کہ ہر انسان قدیم ہے۔ اور ہر ایک کی روح قدیم ہے۔ (کیونکہ تمام انسانوں اور اُنکی روحوں کا خواص میں متحد ہونا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ ان سب کی اصل ایک ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک الگ طور پر اپنی قدیم ہستی نہیں رکھتا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو ان میں اور اُنکے

خواص میں اتحاد نہ ہوتا۔ بلکہ ہر ایک انسان اپنے اندر الگ خواص رکھتا۔ کسی کے ہاتھ نہ ہوتے کسی کو پاؤں کی ضرورت نہ ہوتی۔ کسی کا قد زمین کے برابر ہوتا۔ کسی کا سورج کے برابر۔ کوئی غذا کھا کر جی سکتا۔ کوئی پتھر کھا کر۔ کوئی مٹی چاٹ کر۔ کسی کو کھانے کی حاجت ہی نہ ہوتی) بلکہ صرف اس وجہ سے کہ خدا جامع چار صفات ہے۔ ربوبیت کا۔ رحمانیت کا۔ رحیمیت کا۔ اور سب سے آخر مالکیت کا۔ ربوبیت اور رحمانیت کے اثر سے تو اختلاف کم پڑتا ہے۔ لیکن رحیمیت اور مالکیت کے اثر سے انسانوں کے مدارج میں اختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے :-

پس ہر انسان کی پیدائش اس وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جبکہ خدا کی رحمانیت (خدا کے فضل کے رنگ میں) اور خدا کی رحیمیت (از وجین کی باہمی محبت یعنی مقاربت کے رنگ میں) جلوہ افروز ہوتی ہے۔ اس تصریح سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا ماننا لازم آتا ہے۔ جس کو مریم کے حق میں اللہ تعالےٰ نے ایک مقام پر صَدَّقَتْ اور دوسرے مقام پر حَمَلَتْ کے فعل سے ظاہر کیا ہے :۔

قطع نظر اس کے یہہ ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ کوئی انسان دو متماثل اشیاء کے اتحاد کے بغیر ہی پیدا ہو جائے۔ کیوں کہ کارخانہ قدرت کی تمام کائنات موجود وجود اور مقدار کے لحاظ سے صفر کے برابر ہے۔ اور اپنی ذات میں خدائے کلام کا مظہر ہے۔ اس کے حق میں اللہ تعالےٰ نے یہہ ایک جامع اور پر معنی اصول فرمایا ہے۔ وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

تمام چیزیں ہم نے دو قسم کی بنائی ہیں :تاکہ تم لوگ اس بارے میں غور کرتے اس کا ذکر کرو (پارہ ۲۷، سورۃ الذاریات ۔ رکوع ۳ کی دوسری آیت)

اسی اصول سے نہایت صفائی کے ساتھ ثابت ہو سکتا ہے ۔ کہ کارخانہ کائنات ایک جہت سے صفر کے برابر ہے ۔ اور ایک لحاظ سے لا انتہا کے برابر ہے ۔ یہہ بڑی دقیق بحث ہے ۔ اور اس بحث کا یہہ مقام نہیں یہاں صرف اتنا لکھا جاتا ہے ۔ کہ اگر یہہ مانا جاوے ۔ کہ مریم کو بلا خاوند حمل ہو گیا تھا ۔ تو نہ صرف خدا کی رحمانیت پر بٹہ لگتا ہے ۔ بلکہ اس کی رحیمیت پر بھی ۔ اور اس کی توحید پر بھی ۔ یعنی اس کے (وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہونے کی صفت پر بھی بٹہ لگتا ہے ۔ اور اس کی خالقیت پر بھی ۔

اب ہم اپنی بحث کو ختم کرتے ہیں ۔ اور قایل کا ذہن صرف ایک آیت کے متعلق منتقل کرتے ہیں ۔ کہ وہ برائے خدا قرآن شریف کی صرف ایک آیت لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ پر بھی غور فرما وے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کس قدر اسرار بھرے ہیں ۔ کیا یہہ تمام اسرار والی کلام ایک مفتری کے منہ سے نکل سکتی ہے ۔ حاشا و کلا :۔

دفعہ ۵۰

الغرض ولادت مسیح کے بارہ میں قرآن شریف کے اندر اللہ تعالیٰ نے انجیل کے دلایل سے بڑھکر روشنی ڈالی ہے ۔ لیکن یہہ سب روشنی اُن کے لئے ہے ۔ جن کا دل معرفت کے نور سے بھرا ہوا ہے لفظ پرستوں کے لئے نہیں ہے :۔

جیساکہ اللہ تعالےٰ فرماتا بھی ہے۔ اور پھر فرماتا بھی قرآن کریم
کے اس مقام پر ہے۔ جہاں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ابتدائی
ذکر مبارک شروع کرتا ہے۔ جیساکہ فرمایا۔ پارہ ۳۔ سورۃ آل عمران رکوع
کی آیت چھٹی یعنی ٹھیک اس محکم اصول (ھوالذی یصورکم فی الارحام
کیف یشاء الخ جس کی تشریح ہم دفعات ۳۲ تا ۳۴ میں بخوبی کرآئے
ہیں) کے تذکرے کے بعد۔ اور یہی وہی دوسرا اصول ہے جس کے تذکرے
کرنے کا اقرار ہم نے دفعہ ۳۵ میں کیا تھا۔

هُوَ الَّذِىٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖۚ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُؕ

ترجمہ:۔ اے پیغمبر وہی ذات پاک ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری جس
میں سے بعض آیتیں پکی (صاف اور صریح) ہیں۔ کہ وہی اصل کتاب
ہیں۔ اور بعض دوسری مبہم ہیں (جن کے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے
ہیں) اور جن لوگوں کے دل میں کجی ہے۔ وہ تو ان باتوں (اور ان معنوں)
کی پیروی کرتے ہیں۔ جو اصلی معنوں کے مشابہ ہوتے ہیں (یعنی ان
معنوں کی جو لفظ پرستی کی گنجائش پر نکل سکتے ہیں۔ اور معاندانہ منافقانہ
اور وکیلانہ حیثیت سے ایک رنگ میں غلط معنے ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ
ان غلط معنوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اور محکم آیات کے فتووں کا کچھ
لحاظ نہیں کرتے۔ گویا قرآن شریف کا سیاق سباق اور آگا پیچھا دیکھنے

کے بغیر ہی ایک غلط معنے کر کے اس کی تابعداری کرتے چلے جاتے ہیں) اور یہہ بات وہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ فساد برپا کریں۔ (خدا کے دین محکم کو غلط پیرائے میں بیان کریں) اور اپنے (من گھڑت) معنے ان کے لئے تجویز کریں۔ حالانکہ اس کے اصلی اور صحیح معنے خدا کے سوائے کسی کو معلوم ہی نہیں ہوتے لیکن اس مقام پر یاد رکھنا چاہئے۔ کہ خدا نے متشابہات کے علم سے اپنی مخلوق کو بے بہرہ نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نے ایسی راہیں بتائی ہیں۔ جن پر چلکر اللہ تعالٰے انسان کو اپنی مرضی سے مطلع فرماتا ہے۔ اور پھر اپنی کلام کے معنے بھی اُسے سمجھاتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا بھی ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ان اللہ مع المحسنین (پارہ ۲۱ سورۃ العنکبوت رکوع کی آخری آیت شریف جس کا ترجمہ یہہ ہے۔ جن لوگوں نے ہمارے دین میں کوششیں کیں۔ ہم بھی انکو ضرور اپنے راستے دکھائیں گے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالٰے اُن لوگوں کا ساتھی ہے۔ جو خلوص دل سے نیک عمل کرتے ہیں۔ یا غربا پر احسان کرتے ہیں۔

اور پھر ایک مقام پر فرماتا ہے۔ کہ ہم اس پر روح القدس بھی نازل فرماتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت مریم علیہا السلام پر بھی نازل ہوا تھا۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ (پارہ ۲۸ قد سمع) سورۃ مجادلہ کے آخری رکوع کی آخری آیت :-

لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولئک کتب فی

قلوبھم الایمان وایدھم بروح منه ویدخلھم جنت تجری من تحتھا الانھار خلدین فیھا۔ رضی الله عنھم ورضوا عنه اولٓئک حزب الله الا ان حزب الله ھم المفلحون ٥

ترجمہ ۔ اے پیغمبر جو لوگ اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ ان کو تو تم نہ دیکھو گے۔ کہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفوں کے ساتھ دوستی رکھیں۔ گو وہ اُن کے باپ یا ان کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے کنبے کے ہی کیوں نہ ہوں یہی وہ پکے مسلمان ہیں۔ جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا نقش کر دیا ہے اور اپنے روح (کلام یا فیضان فیضی) سے اُن کی تائید کی ہے۔ اور وہ ان کو بہشت کے ایسے باغوں میں لے جا داخل کرے گا۔ جن کے تلے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ خدا اُن سے خوش وہ خدا سے خوش۔ یہی خدائی گروہ ہے۔ سنو جی۔ خدائی گروہ ہی آخر کار فلاح (نجات) پائیگا۔

سو اے ناظرین صاحبان میں امید کرتا ہوں۔ کہ آپ صاحبان غور اور تدبر سے اس کتاب کو پڑھیں گے۔ اور جب آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع فرمائیں گے۔ تو وہ آپ کو آپ آپ ہدایت فرماوے گا۔ اور تمکو صحیح مسائل کے سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائیگا۔ مجھکو جو کچھ لکھنا تھا۔ میں نے اختصار کے طور پر لکھدیا ہے۔ اب غور فرمانا یا نہ فرمانا آپ بزرگوں کا کام ہے اب ہم اس کو ختم کرتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں:۔

صدق الله العلی العظیم وصدق الله الرسول الکریم ٥

اور دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ آیات متشابہات کے معنوں کے بارے میں خود ہی دعا مانگنے کی ترکیب بھی فرماتا ہے۔ سورۃ آل عمران پارہ ۳ رکوع ۱ کی آخری دو یعنی ساتویں آٹھویں آیت ہیں:۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب
ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیہ ان اللہ لا یخلف المیعاد

ترجمہ:۔ اے پروردگار ہمارے ہم کو راہ راست پر لائے پیچھے ہمارے دلوں کو ڈانواڈول نہ کر۔ اور اپنی سرکار سے ہم کو رحمت کا خلعت عطا فرما۔ کچھ شک نہیں کہ تو بڑا دینے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار تو ایک نہ ایک دن جس کے آنے میں کسی طرح کا شبہ ہی نہیں۔ لوگوں کو اعمال کی جزا سزا کے لئے اکٹھا کرے ہی گا۔ (تو اس دن ہم پر مہر کی نظر رہے) بے شک اللہ تعالیٰ) وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ آمین

خاتمہ

اب ہم سب سے آخیر میں قرآن شریف کے اس مقام کا اقتباس کرتے ہیں جس میں اللہ تعالےٰ نے جلی قلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا دو طرفہ ذکر خیر فرمایا ہے۔ مبارک وہ جو اس مقام کو شوق سے پڑھیں۔ پارہ ۷ سورۃ الانعام رکوع ۱۰ کی پہلی پانچ آیات مقدسہ

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ وَإِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

ان آیات شریف میں ایک طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذریت داؤد سے بتایا گیا ہے۔ اور دوسری طرف من آبائہم کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ہم اس جگہ منطقی بحثوں میں پڑنا نہیں چاہتے۔ صرف مومنوں کا شوق پورا کرنے کے لئے ہم نے وہ مقام بتلا دیا ہے۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا ذکر ہے۔ اس مقام پر آدم کا ذکر نہیں۔ نوح سے شجرہ شروع کیا گیا ہے۔ جس صاحب کے کان سننے کے ہوں۔ وہ سنے اور جس صاحب کی آنکھیں دیکھنے کی ہوں۔ وہ دیکھے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ آمین

سلام علیکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تتمہ

اب آخیر میں افادے کے طور پر ساری کتاب کا خلاصہ ٹوٹی پھوٹی غریبانہ نظم میں لکھدیا جاتا ہے۔ اور صرف اس واسطے لکھا جاتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ کسی صاحب کو نثر کی بجائے نظم سے ہی زیادہ دلچسپی ہو۔ اور اس طرح بعض صاحبان کو نظم میں جلدی اور اچھی طرح سمجھ میں آجاوے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ میں کوئی شاعر نہیں ہوں۔ اور نہ شاعری میرا شعار ہے یہی وجہ ہے کہ ان شعروں میں شاعرانہ لطافتیں اور نزاکتیں اور نیرنگ خیالیاں نہیں ہیں۔ صرف ایک قسم کی ٹوٹی پھوٹی مقفٰے عبارت ہے۔ امید ہے ناظرین اسی پر محظوظ و متاثر ہوں گے۔ اور کمترین کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔ اس امر کا اظہار یہاں ضروری ہے۔ کہ نظم میں چند باتیں ایسی بھی درج ہوگئی ہیں۔ جو نثر میں بیان ہونے سے رہ گئی تھیں ؏

سُنیں کوئی صاحب جو میری پکار ۔۔۔ سناؤں انہیں میں عجیب اک پکار
بصد ادب کرتا ہوں میں التجا ۔۔۔ سُنے کاش کوئی یہہ میری پکار
اٹھو سونے والو سحر ہوگئی ۔۔۔ زمانہ پڑا کرتا ہے یہہ پکار

کہ ادھر کی دنیا اُدھر ہوگئی   نہیں ہوتے لوگ اب کیوں خبردار
اگرچہ ہے یہہ اک مبارک سماں   سماں روشنی کا ہے لیل و نہار
مبارک زمانہ ہے فرخندہ وقت   کہ ہے روشنی ہر طرف آشکار
علوم و فنون کا ہے زور ہر طرف   صلح آشتی کی ہے ہر سو پکار
زمانے میں ایسا بڑھا اختلاط   مرنجاں مرنج سے ہیں کرتے پیار
تعجب ہے اس روشنی میں بھی   ضلالت سے دنیا ہے تاریک و تار
کرے بعض اک لگا روشنی میں تپے وہ   کہ فطرت کو جس نے کیا تیرہ تار
صحیفہ فطرت میں ہے یہہ عیان   کہ عورت کا ہی یہہ نہیں ہوتا کار
کرے پیدا اولاد تنہا ہی وہ   وہ بن مرد ہو اگرے باردار
وے کہتے مریم کو ہیں برملا   درود و سلام اس پہ ہووین ہزار
بدوں مرد کے ہوئیں وہ حاملہ   وہ خاوند سے ہوئیں نہ تھیں باکار
بلا باپ عیسیٰ علیہ السلام   وہ روح اللہ پیدا ہوئے ذیوقار
دیا کرتے کیڑوں کی بعضے نظیر   جو پیدا ہوا کرتے ہیں بے شمار
نظیر اس کی انسانوں میں گو نہیں   دلائل کا ہے جس پہ سب انحصار
کہ ہو جائے عورت کو حمل آپ آپ   کریں آدم و حوا ہی سے شمار
اگرچہ نہیں اس میں تشنیع کچھ   یہہ قانون ہے ظاہر و آشکار
وے مانتا اس کو ہے اک جہان   کہ حمل اک ہوا تھا عجب آشکار
کہ صدیقہ مریم علیہا السلام   بدوں مرد کے ہوگئیں باردار
وے جب نہیں ملتی اس کی نظیر   تو کہتے ہیں بعض اس کو پروردگار

انہیں بعض کہتے تھے زوجہ رب
وے کہتے تھے بعض ایسا بھی
عقیدہ تھے رکھتے نصارےٰ یہود
بہہ راہیں ہیں افراط وتفریط کی
وے کہنا پڑتا ہے افسوس سے
کیا اہل سنت جماعت کے لوگ
عقیدہ وہ رکھتے ہیں بالاتفاق
نصارے وے کہتے ہیں برملا
کہ خاوند تو مریم کا تھا اک ضرور
وہ خاوند تھا گویا فقط نام کا
عقائد میں ان کے وے فرق ہے
نصارے تو فرماتے ہیں ادب سے
وے ان کی پہلے ہوئی منگنی
ہوا قوم سے اس قدر انحراف
مسیح ابن مریم تھا اکلوتا پسر
وے احمدی کہتے ہیں کھول کھول
بیاہی گئیں ایک بڈھے کے ساتھ
تا محفوظ بدظنیوں سے رہیں
وہ رکھتا تھا اک بیوی آگے بھی

معاذ اللہ جس سے ہوئیں باردار
کہ مریم تو در پردہ رکھتی تھی یار
جب اسلام احمدؐ ہوا آشکار
نہیں دین اسلام کے جو شعار
اب اسلامیوں کا یہی ہے شعار
کیا شیعہ صاحب ہیں رکھتے شعار
کہ مریم کا خاوند نہ تھا زینہار
یہی احمدیوں کا بھی ہے شعار
پہ تھا حمل مریم ہیں نہ حصہ دار
مسیح ابن مریم کا تھا پاس دار
کریں کوئی صاحب نہ یکساں شمار
کہ مریم ہوئیں بعد کو باردار
یہودوں میں ہوئی نکاح ہے شمار
کہ مکلاوے کے بن ہوئیں باردار
کیونکہ وہ پھر نہ ہوئیں باردار
کہ جب ہوئیں وہ غیب سے باردار
تا وہ ان کا ہو حمل نہ داغدار
وہ طعنوں میں بھی ہوں نہ رسوا خوار
اسے آئی اپنے نکاح سے نہ عار

ہے یہہ غالباً نقلِ قولِ یہود ۔ ملا اس میں گو کہ ہے کچھ کچھ وقار
یہ ہیں راہیں افراط و تفریط کی ۔ نہیں کوئی اسلام کا ان سے کار
نہیں سمجھتے لوگ قرآنی بات ۔ جو پہلے صفحے پر لکھی آشکار
جو ہوں راہیں افراط تفریط کی ۔ نہ ہو دین اسلام کا اُن سے کار
اِسی سے تھے مغضوب ہوئے یہود ۔ جلا وطن و بے زر غریب و نادار
اِسی سے نصاریٰ تھے گمراہ بنے ۔ کریں کاش قرآن میں افکار
کیا فخر ہے اُمتِ خیر کو ۔ جو گمراہوں کا سا وہ رکھے شعار
جو ہیں مانتے محض نام ہی کا مرد ۔ جو تھا حملِ مریم میں نہ حصہ دار
نہیں مانتے یا کہ خاوند ہی جو ۔ وہ قدرت سے کہتے ہیں تھیں باردار
وہ لگواتے مریم پر بہتان ہیں ۔ وہ منواتے ہیں اس کو پروردگار
وہ منواتے یا اس کو زوجۂ رب ۔ معاذ اللہ جس سے ہوئیں باردار
وہ منواتے اس کا ہیں یا ایک یار ۔ کہ جو ہوا خلوت میں تھا رازدار
تدبر کریں لوگ قرآن میں ۔ وہ اخلاص میں سوچیں با افتکار
کریں غور پر اس میں اخلاص سے ۔ اُسے ڈال کے دل میں پھر بار بار
سمجھ جائیں گے خود بخود جو ہے حق ۔ نہاں جو ہے سب ہووے گا آشکار
وہ اللہ ہے ایک اور اللہ ہے پاک ۔ یہہ کرتا ہے قرآن اس میں پکار
وہ والد کسی کا نہ مولود ہے ۔ نہ اس کا ہے ثانی کوئی زینہار
یہہ ہے آیا اک دوسرے موقع پر ۔ نہیں اس کی بیوی کوئی زینہار
بھلا کوئی صاحب یہہ سوچیں ذرا ۔ خُدا نے کیا اس کو نہیں کیا آشکار

کیا ہے کوئی مانتا ولدِ رب　　مگر ولدِ صلبی کو کرنا شمار
کیا ہے کوئی مانتا صاحبہ　　مگر بیوی مدخولہ کرنا شمار
نہیں مانتا کوئی دنیا میں جب　　تو کرتا ہے قرآن پھر کیوں پکار
عقیدہ ہے یہ مانتا کون اب　　خدا کس کو سمجھاتا ہے بار بار
کیا چاہتا سمجھاتا ہے وہ ہمیں　　وہاں کی جو دنیا پڑے ابابیار
زمیں چھان مارے کوئی ساری خواہ　　نہ پائے گا اک معتقد زینہار
نہیں معتقد کوئی دنیا میں جب　　نمازوں میں کیوں پڑھتے ہیں بار بار
نہیں مخفی اس میں اگر کوئی بھید　　اگر چھلکوں پہ ہی ہے اس کا مدار
سناتا ہوں اب آپکو حق بات　　کریں آپ اللہ کرے اعتبار
کہیں مت بہکتا ہے دیوانہ سچ　　پڑا کرتا بک بک ہے دیوانہ وار
یہہ ثابت پہ ہو جائے گا آپ کو　　دوانہ بکارِ خود است ہوشیار
دلائل کی خاطر ہے سب اہتمام　　اگر چاہیں اس پہ کریں اعتبار
خدا کا ہے منشا کہ خلقی ثبوت　　کرے حق کو سر بسر آشکار
مقشر ہو مغزِ حقیقت تا سب　　مجلا مصفا جلی آبدار
سمجھ آئے رس اور چھلکے الگ　　کریں کنہ اصلی کو وہ آشکار
سمجھ جاویں یا سمجھ مقصودِ رب　　تا حمدِ خدا گائیں لیل و نہار
قوی اُن کا ایمان ہو دن بدن　　تا محروم ان سے نہ ہوں ذی وقار
کہ اب حیف ہے اُمتِ خیر پہ　　اگر اس کا چھلکوں ہی پہ ہو مدار
ولادت کو مافوق فطرت نہ مان　　یہی کہتا اسلام ہے بار بار

نہیں ہوتی تولید تخلیق ہی
سب انسان مٹی ہیں گو فطرتاً
نہیں مٹی عیسیٰ ہیں تولید میں
مشابہ تھے آدم کے وہ خلقتاً
ولادت کو سمجھے نہ خلقت کوئی
ولادت کا خلقت سے جھگڑا الگ
کہیں مت کہ مریم کو تھا حمل غیب
ہلاکت کے دونوں ہیں یہ راستے
گو گندم نما جو فروشوں کا ایک
بلاشک عقیدہ ہے اپنوں کا ایک
بظاہر ہیں بھرتے دم دوستی
ادھر سے وہ فطرت کو ہیں کاٹتے
عقیدہ ہے ایک اور نقصان دو
بچو یار سے جو کہ نادان ہو
جو مریم کا ہیں مانتے حمل غیب
نہیں سمجھتے یہ تو موٹی ہے بات
نہیں جبکہ دنیا میں کوئی نظیر
بنزدیک دشمن کہا غیب و غیر
اسے کس طرح غیبی منوائیں گے

یہ دونوں الگ ہونی چاہیں شمار
از آدم تا ایندم کریں خواہ شمار
مگر مٹی ہیں خلقتاً ذی وقار
ولادت کے رو سے نہیں زینہار
ہے یہ ہوتی بلکہ علیحدہ شمار
کریں ان میں گڑبڑ نہ عالی تبار
اسے غیر بھی نہ کہیں زینہار
برابر ہیں ہو سکتے دونوں شمار
رہ و بیگر ہے دشمنوں کا شعار
خوشامد یہ جو رکھتے ہیں انحصار
بہ باطن میں ہیں آستیں کا وہ مار
ادھر سے غلوان کا ہے اک شعار
کریں غور سب اس میں عالی تبار
یہی کہتے دانا تو ہیں بار بار
وہ نادان ہیں دوست عالی تبار
کہ غیبی ہو حمل اس کا کیا اعتبار
تو غیبی ہے ہو سکتا غیری شمار
نہیں فرق ان میں کوئی زینہار
کیا ہاتھوں میں پکڑیں گے وہ ذوالفقار

کریں گے کیا منکروں کو وہ قتل
یہودی ہوا کرتے تھے جسطرح
یہ کب تک بہائیں گے خوں کی ندی
وہ کب تک گرایا کریں گے حمل
یہ جنت کے وارث وہ ہونگے کیوں
وہ مہدی کی پیشینگوئی جو ہے
مذاہب میں کیا اس کا مطلب ہے یہ؟
نصارے تو کہتے ہیں ہیں امن دوست
وہ کس منہ سے رکھتے ہیں ایسا خیال
بحالیکہ قطرت تو کانوں پہ ہاتھ
ثبوت اس کا قطرت میں ہرگز نہیں
اگر سوچیں فطرت خدا کا ہے فعل
مٹائیں گے امرِ خدا کس طرح
غرض حمل غیبی یقینی نہیں
دلائل تو فطری معاون نہیں
دلائل جو سنتا ہیں چاہیئے صحیح
سنیں حمل ہو غیب یا غیر سے
نہیں سینگ ہوتے ہیں انپہ کوئی
ولادت کا انسان کی عجب یہہ ہے حال

مسافر جلا وطن رسوا خوار
پرانے زمانے میں وہ بے دیار
اکھاڑیں گے نسلوں کو وہ ذوالفقار
چلی جائے گی تا بکے کارزار
اگر وہ اٹھائیں گے تیغ آبدار
کہ جس میں ہے عیسیٰ کا بھی انتظار
کریں قتل و غارت پہ لوگ انحصار
یہی احمدیوں کا بھی ہے شعار
جو فطرت کو کر واتے ہیں وہ خوار
پڑی رکھتی ہے زور سے بار بار
نہیں کرتی وہ اس کا ہے اعتبار
نہیں فعلِ ربی میں کیوں انحصار
مٹیں گے نہ کیوں ہو کے رسوا خوار
برابر ہے ہو سکتا ہے غیری شمار
عقیدوں پہ ہے سب کا پر انحصار
سناتا نہیں اب یہہ ہے خاکسار
وہ یکساں ہیں ہو سکتے دونوں شمار
نہ انسیر نہ اشپیر کبھی زینہار
تو سیدھے کے توفی الٹا کیوں ہوشمار

کیوں ایک دوسرے پر ہو فوق
کھلا جس میں رہتا ہے شیطانی در
یہودی تو آگے ہی مشہور ہیں ..
پر اب اوروں کی بھی ہیں آنکھیں کھلیں
دیانند صاحب نے لکھا ہے یہہ
وہ ہے ستیارتھ مقدس کتاب
ولے یہہ تو سارا ہے اُن کا تصور
جو مانیں تو مانیں فقط نام کا
اگر چاہیں بہتانوں کا کاٹنا
ہے کٹ سکتا بہتان اس حال میں
وہ دونوں ہوں اک دوسرے کا لباس
ولے مانیں جب ایک کا نہ وجود
اگر مانیں شوہر تو وہ نام کا
برابر ہے مانیں نہ مانیں اگر
نہیں دیتا عفت کا وہ ہے ثبوت
سنیں اور طرفہ عجب ایک بات
جو کر سکتے ہیں آریہ صاحبان
نیوگن نہ کیوں مانیں مریم کو ہم
سمائیں گے پھولے نہ وہ آپ میں

کریں اس لئے پر اب کیوں اعتبار
ہے ملسکتا بہتانوں کو جس میں بار
چلاتے ہیں بہتانوں کا اسپ وار
وہ غفلت سے ہوئے ہیں اب ہوشیار
پڑھیں کاش پر کاش کو ایکبار
کہ جس پر ہے اک قوم کا انحصار
جو خاوند نہیں مانتے زینہار
ولے یہہ ہو خاوند نہ خاوند شمار
تو مانیں وہ شوہر سے تھیں باردار
میاں بیوی جبکہ ہوں عصمت شعار
پھر عفت ہو کیوں ان میں نہ بہرہ دار
اکیلے کی عفت کا کیا اعتبار
ذرا حمل میں جو ہو نہ حصہ دار
کہ ایسا ہو شوہر نہ شوہر شمار
ولے الٹا کرواتا ہے وہ خوار
یہی تو نرالی ہے طعنوں کی سار
کتاب اپنی پہ رکھے وہ انحصار
جو بچہ جنا اس نے تھا آشکار
عجائب جو ان کا ہے یہہ آشکار

رہے گا نیوگ اُن کا قایم درست — نہیں کھا ہی سکتے ہیں وہ اپتو ہار
نہیں اپنا شہتیر ہم دیکھتے — پڑا ڈالتا آنکھوں میں ہے غبار
ذرا سا وہ تنکا پہ ہم دیکھکر — مخالف کو ہیں عبث کرتے خوار
دکھاتے اُنہیں آریہ دھرم ہیں — نیوگ ایک ہوا جس میں ہے انکار
کبھی سرمۂ چشم دیتے انہیں — نکل جائے آنکھوں سے اُن کی غبار
عقیدہ پہ جو رکھتے ہیں ہم غلط — نہیں آتی ہم کو تو اس سے عار
اگر چاہیں کٹ جائے اُن کا نیوگ — عقیدے سے ہم پہلے ہوں شرمسار
وگرنہ کٹے گا نہ ہرگز نیوگ — جو شمشیر برہاں کی ہے تیز دھار
ہے دشمن کی تلوار شمشیرِ تیز — قرِ نرم پہ ہم لیں اب اس کا وار
نہیں نرم کچھ ہم نہیں نرم وہ — نہیں ہم سب انصاف کے پاسدار
رہیں ظلم سے ہم سب اب دور دور — کہ دنیا کو ہے عدل سے ہی قرار
کئی سادہ لوح ہیں جو فرماتے ہیں — مسیح کی ولادت سے کیا ہم کو کار
نہیں جانتے تھے یہہ شرک کی جڑھ — اگر بے پدرِ عیسٰے نہ ہو زینہار
ولادت میں ایسی تو لپٹا ہے شرک — یہی تو ہے قرآن کرتا پکار
نہیں ممکن اس سے یہہ ہووے الگ — کرے جتن خواہ کوئی لاکھوں ہزار
ولے ایسا بھی کہتے ہیں چند لوگ — کہ چونکہ نہیں قصہ سب آشکار
ولادت مسیح کا بیاں گول مول — کرے کون قرآن میں افتکار
تو جائز ہے گر مانیں ہم جس طرح — تفحص سے ہم کو نہیں کوئی کار
نہیں جانتے ہیں کہ قرآن میں — تدبر کا کرتا ہے فرض آشکار

عقیدہ جو شکوک رکھتے ہیں بعض ... یار رکھتے ہیں مخلوط عالی تبار
انہیں خود کو دھوکا لگا ایک تو ... بھٹکتے ہیں جس میں پڑے ذیوقار
ولے دوسروں کو بھی بہکاتے ہیں ... کیا کرتے فطرت کو ہیں وہ خوار
نہیں غلطی جائز ہے اُس بات میں ... کہ جس پر ہو فطرت کا سارا مدار
اسی پر تو ہے فخر اسلام کو ... کہ فطرت صحیح اس نے کی آشکار
کیا فخر ہے ایسے اسلام کو ... کہ فطرت کو یوں وہ کرے گر خوار
ہے اسلام فطرت بلا شک و ریب ... یہی کرتا قرآن تو ہے پکار
نہیں فرق اسلام و فطرت میں کچھ ... کہ جس پر ہے ہر بچے کا انحصار
یہودی کریں خواہ نصارے اُسے ... یہہ ہے والدینوں کا ہی اختیار
کریں آریہ اس کو خواہ دہریہ ... سناتن یا جینی کریں ذیوقار
ولے پیدا ہوتے ہیں فطرت پہ سب ... نہیں رکھتے ہیں وہ صلیب و زنار
غرض فطرت اسلام ہے واقعی ... نہیں شک جس میں ذرا زینہار
نہیں دو رُخی جائز اُس بات میں ... کہ جس پر ہو اسلام کا سب مدار
نہ بخشے گا اللہ کبھی شرک کو ... دُہائی ہے قرآن کی باربار
اگر کوئی جیتے جی توبہ کرے ... جھکے طرف اللہ کی با انکسار
کرے گا خدا الہی توبہ قبول ... گناہوں سے ہو کوئی جب شرمسار
سنیں آپ ایک اور پوشیدہ بھید ... کہ جس پر ہے اسلام کا انحصار
مناسب مقاموں پہ گر شک کریں ... یہہ ہے دین اسلام کا اک شعار
تقاضا ہے انسانی خصلت کا یہہ ... کہ جس سے نہیں باہر اہلِ وقار

ولے جو ہیں حد درجے کے مُتّقی
وہ رکھتے ہیں دل ہی میں دل کا بخار

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہوویں سُبُک
خصوصاً جہاں حق ہو آشکار

بڑوں کی بسر ہیں بسر سے بڑی
تذبذب میں رہتے ہیں وہ شرمسار

کیوں دور جاؤ یہیں دیکھیں آپ
کہ کیسے ہوئے تھے نبی بے قرار

جو پیش آگیا وہ ذرا حادثہ
کہ کیسے پھر جب عائشہ ایک بار

بنی مُصطلِق سے ہوئی جنگ جب
فتح پا کے واپس ہوئے جب تیار

تب اس وقت سنہ ہجری تھا پانچواں
مقام ہوا رستے میں جب ایکبار

مدینے کا تھا شہر بالکل قریب
جدھر کو اندھیرے منہ ہوئے تیار

حرم محترم گئیں بیت الخلا
وہ کھیتوں میں بھول آئیں منکو کا ہار

وہ تھا ان کا اپنا نہ منکوں کا ہار
وہ لائی تھیں بہن اپنی سے مستعار

گئیں جب وہ واپس اُسے ڈھونڈنے
نکل آئی اونٹوں کی آگے قطار

ولے سارباں کو لگا نہ پتہ
نہیں عائشہ اونٹ پر ہیں سوار

کجاوہ لیا باندھ ویسا ہی بند
وہ خالی تھا جو اور پکڑی مہار

وہ واپس جو آئیں تھا خالی مقام
وہاں سے گئے لوگ سب تھے سدھار

وہاں پہلی جا پر گئیں بیٹھ وہ
لگیں کرنے خادم کا واں انتظار

محافظ تھا صفوان درعقبِ فوج
لگا کرنے پر چھائیں پر وہ پکار

اُسے ہوا معلوم ہیں عائشہ
کیا اونٹ پر اُن کو اپنے سوار

لگا ادب سے چلنے آگے وہ آپ
پکڑ ہاتھ میں اونٹ کی لی مہار

گو تھی سیدھی یہ بات دشمن مگر
لگے دینے طعنے وہاں آشکار

مدینے میں جب پہنچیں وہ بعد میں
لگے کرنے بڑھ بڑھ کے باتیں وہ لوگ
نہ تھی خبر جن کو کہ منکوں کا ہار
وہاں لوگوں میں ایک چرچا ہوا
وے سب سے عبد اللہ مسطح بڑھے
ہوئیں مضمحل عائشہ فکر سے
نبی بھی لگے رہنے ان سے الگ
اسی غم میں دلگیر ہوئے نبی
لگے غم سے گھلنے وہ تشویش میں
نہ تھا محرم عفت ان کا وہاں
لگے پوچھنے مشورہ ایک دن
علی کو وہ تھے سمجھتے نفس خود
یہی بات قرآن میں درج ہے
گئے جب وہ مکے میں گھر ایک بار
لباسِ علی اوڑھا پھر آپ نے
محمد کی جا پر علی سو گئے
بنا جب کہیں سے ملی نہ انہیں
ابوبکرؓ و عمرؓ اور طلحہؓ زبیرؓ
بنایا نبی نے علیؓ کو اخی

دگر بار روز مواخات کو + بنائے گئے جبکہ بھائی تھے یار

جناں اور جنیں کی ہوئی اک پکار
جو سمجھی گئیں وہ شتر بے مہار
وہ نجائے گا اک گلے کا ہی ہار
کئی لوگوں نے تب کی بڑھ کے پکار
حرم محترم ہوئیں رسوا و خوار
وہ پہلے ہی بیمار تھیں بے قرار
چلی گئیں آخر کو میکے وہ ہار
کیا ہار کر پر سکوت اختیار
نکالا نہ دل کا یہ دل سے بخار
نہ مونس نہ غمخوار نہ کوئی یار
علی مرتضےٰ سے وہ آخر کو ہار
اسے یاد وہ کرتے تھے بیتا شمار
نبی نے جو جتلائی تھی چند بار
علی ہی کو اپنی چادر دی اتار
دیئے چل وہاں سے وہ مردانہ وار
علیؓ نے محمد پہ کی جان نثار
مدینے کو جب وہ گئے تھے سدھار
وہ دو دو ہوئے بھائی بھائی شمار
علیؓ ان کے بھائی ہوئے پھر شمار

سوم بار نجراں کے عیسائی لوگ — بلائے نبی نے تھے جب ایکبار
بلایا انہیں طرف اسلام کی — دلیلیں سنائیں انہیں بار بار
پہ وہ ہوئے قائل نہ ہرگز وہاں — بنے نہ وہ اسلام کے دیندار
مباہل بنیں آؤ بولے نبیؐ — نبی ہوئے جب بد دعا کو تیار
تمنا لگے کرنے وہ موت کی — وہ طاعون ہوں جو ہوں تقصیر وار
نبی کے ہوئے ساتھ شامل علیؑ — وہ ذات نبیؐ میں ہوئے حصہ دار
چہارم دفعہ روزِ خم غدیر — کہا تھا نبی نے یہی آشکار
صحابہ تھے موجود اُس روز سب — کہ جن کو ہیں کہتے تھے ستر ہزار
یہ بعضوں کا پڑتا ہے ایسا خیال — کہ موجود اک لکھ تھے چوبیس ہزار
نبیؐ نے پڑھا ایک خطبہ وہاں — ملبند ہوکے پالانوں پہ استوار
ہوں میں جس کا مولا ہے اُسکا علیؑ — جو اس کا ہو دشمن وہ ہووے خوار
خدا نے بنایا خلیفہ انہیں — علیؑ ہوئے نائب غرض چند بار
برأت کی سورت وہی لے گئے — ابوبکرؓ کے عوض وہ کامگار
رسولِ نبیؐ ٹھہرے واں پھر علیؑ — پیغمبر کے پیغام کے پاسدار
علی ہی نے توڑے جو بت تھے بڑے — وہی جنگِ خیبر کے تھے علمدار
مبارز کی عربی جو کرتے طلب — علی اکثر ہوتے تھے وال نامدار
ولید حنظلہ عتبہ روزِ بدر — لڑائی کے جو ہوئے آ طلبگار
بروزِ اُحد طلحہ بن بی طلحہ — لڑائی کو ہوئے جو آکے تیار
پہ غرورا نضیری یہودی جو تھا — سرِ پہ غرور اس کا ہوا آشکار

عمر عبدود کا تھا بیٹا دلیر — جو رستم تھا یا وہ تھا اسفندیار
مبارز کیا طلب خندق کے روز — بڑے فخر سے جس نے مردانہ وار
مرحب بمعہ بھائی حارث یہود — جو خیبر کے قلعوں کے تھے قلعدار
ابو جندل آیا بجنگ حنین — مبارز کی اک کرتا ہوا پکار
علیؑ ہی کے ہاتھوں ہوئے قتل سب — یہہ سب پہلوان تھے بڑے نامدار
سلامت نہ زد سے وہ ان کی بچے — علیؑ کی تبھی تیغ تھی ذو الفقار
رسول خدا کی کیں وہ خدمتیں — علیؑ نے نبی کے جو تھے جاں نثار
کہ کہنا ہے پڑتا یہہ بے ساختہ — نبیؐ کا نہ ویسا تھا اک کاردار
نبیؐ نے تبھی تو تھا فرمایا یوں — نبیؐ موسے ہو وہ ہو ہاروں شمار
نبیؐ نے کیا موقع افک پر — علیؑ ہی کو اپنا اخص راز دار
طلب اس سے کی دوستانہ صلاح — رہیں تا ہمیشہ نہ وہ غمگسار
علیؑ تھے نبی کے مگر اک شفیق — وہ چاہتے تھے ہو ویں نبیؐ نہ خوار
کریں آپ جو چاہیں بولے علیؑ — ذرا پوچھ ہی دیکھیں آپ اکبار
شبہ گر ہو ثابت تو دیویں طلاق — رہیں آپ دائم نہ یوں غمگسار
تسلی نبیؐ کو ہوئی پھر وہیں — علیؑ نے نصیحت جو کی آشکار
بلایا نبیؐ نے حرم کو وہیں — تو وہ معہ لونڈی حاضر ہوئیں ذیوقار
اٹھا دونوں نے قسمیں تب یہ کہا — کہ واللہ نہیں عائشہؓ داغدار
تسلی پہ کامل نہ ان کو ہوئی — وہ ویسے کے ویسے رہے بیقرار
وہاں چونکہ امکان بہتان تھا — گیا چل تھا شیطاں لعیں کا جو وار

تسلی نہ گو ان کو فطرت نے دی | جو ہوا ہے اسلام کر لی شمار
وے ہو گئے خرم و شاد کام | خدا نے انہیں جب کیا خبر دار
برأت کی بابت جو ہوا نزول | کیا اس نے سب بھید کو آشکار
غلط عائشہؓ پہ یہ بہتان ہے | یہ ہیں سچے ظالموں کی لعینوں کی کار
بتنگڑ جنہوں نے کیا بات کا | نہ تھا نیک نیتی تو ان کا شعار
نبیؐ پر ہوئیں عائشہؓ گرچہ خوش | علیؓ سے وے رکھا دل میں غبار
کشیدہ علیؓ سے وہ رہنے لگیں | نبیؐ کے علی کیوں ہوئے طرفدار
نہ سوچ آئی ان کو وہ تھے بیگنہ | علیؓ تھے نہ بہتان میں حصہ دار
علیؓ سے تو پوچھا نبی نے تھا خود | نکالا تھا خود آپ دل کا غبار
وہ خادم نہ بنیگنؓ کے تھے شیر مرد | علیؓ تو نبیؐ کے تھے خدمت گزار
نبیؐ کی وہ کاٹا نہ کرتے تھے بات | کیوں ہٹتے وہ تھا نہ ان کا شعار
ملاتے وہ تھے ہاں میں ہاں ہی مدام | خصوصاً نبی ہوتے جب استوار
اسی بات میں تو وہ منفرد تھے | سب اصحاب کا تھا نہ یہ پر شعار
عموماً وہ تھے کاٹتے ان کی بات | صلاح کے نبیؐ ہوتے جب طلبگار
اگر دوسرا ہوتا وہ دیتا کاٹ | یہ تھا ایسا کوئی نہ داں راز دار
مزاجِ نبیؐ کا تھا مظہر وہی | نبیؐ اس پہ ہی کرتے تھے اعتبار
علیؓ گویا نفسِ نبی کے تھے ظل | جبلّت کا دونوں کی اک تھا شعار
اسی بات کا سمجھنا مشکل ہے | فنا فی النبی کی یہی تو ہے سار
اسی سے ہیں مومن کے اسوۂ نبی | نہیں ان کا دیتو ثبت جو شعار

نہیں مانتے ہیں وہ مریم کو رب
نہیں شرک پر ان کا کچھ انحصار

خلافت بلا فصل کا یہ ہے بھید
اسی پر ہے اسلام کا انحصار

یہی غرض تھی آپ کے آنے کی
تا وہ عیسے کے مقتدا ہوں شمار

یہود و نصاریٰ سے وہ پائیں بڑھ
ملے شرک کو ان کے ہاتھوں سے ہار

نصاریٰ کی سب بت پرستی ہو دور
گھٹے زور پوپوں کا کھا کھا کے ہار

ہنوز تدین ہوئے نبی کامیاب
ہے تاریخ عالم سے یہ آشکار

نصاریٰ نے مثلث موحد بنے
ملی پہلے عیسائیوں کو جو ہار

صحیح نکلا پھر آپ کا وہ کلام
مسیحا کے حق میں جو ہے آشکار

وہی ہوں گے غالب قیامت تلک
مسیحا کے جو ہوں گے خدمتگزار

کئی معنے اس پیشنگوئی کے ہیں
سناتا وے میں ہوں کر اختصار

یہودی ہمیشہ ہی مغلوب ہوں
نصاریٰ سے جا یا کریں گے وہ ہار

نصاریٰ پہ غالب ہوئے مسلمان
محمدؐ کے پر بعد صرف ایک بار

لیا ان سے بیت المقدس کو چھین
ہوئے صالحین میں وہ خود ہی شمار ۲

نصاریٰ کو زاں بعد آیا خیال
کہ ہوئے ہیں کیوں ہم ذلیل و خوار

ہوئے بیدار [illegible] ان میں چند
کہ جن پر ہوا ظاہر انجام کار

محمدؐ کی تعلیم سچی ہے کچھ
جو ہے بڑھ گیا ہم سے وہ ذی وقار

کریں آؤ ہم بت پرستی کو دور
ملے ہم کو بھی تا وہی پھر وقار

گھٹا پوپ کا زور پھر خود بخود
چلی جو نصاریٰ میں تیغ آبدار

بچا اس سے یورپ کا کوئی نہ ملک
کھنچے اس میں یورپ کے سب تاجدار

نصارے ہوئے قتل دونوں طرف
تسلط وے پایا اصلاح نے
سویڈن و ڈنمارک اور ناروے
فرانس اور برطانیہ جرمنی
سُہانے فقط ڈھول ہیں دور کے
پرانے ہی دیں کے وہ حامی رہے
رہے لڑتے دیگر نصارے سے وہ
سمجھتے تھے یہ بھی مسلمان ہیں
نہیں بت پرستی کو کرتے پسند
ملی بت پرستی کو آخر شکست
محمدؐ کی واں چل گئی ایک بات
کیا آپ لوگوں نے اس کو قبول
نبی کی نبوت نہ کی گو قبول
بالفاظِ دیگر نبیؐ بڑھ گئے
تو ارد و اگر چاہیں سمجھیں اسے
بہرحال ریفارمیشن کا تھا
محمدؐ نہ آتے بدلتے نہ دیں
غرض بڑھ گئے وہ نصارے نئے
پرانے نصارے کو آیا زوال

زمین آسمان ہو گئے وھواں دھار
شمالی ہے یورپ کو یہہ افتخار
شمالی ہیں یورپ کے جو وہ دیار
رعایا ہیں اُن کی ہوئی کارزار
سپین اور اٹلی رہے برکنار
مسلمانوں سے چونکہ تھے دلفگار
سمجھتے تھے جنکو وہ ہیں نابکار
جو ہیں ڈالتے دیں میں رخنے ہزار
اُنہیں کا سادہ رکھتے ہیں اک شعار
اڑا شرک ظاہر سب انجام کار
خدا نے جو کی اُنپہ تھی آشکار
محمدؐ سے گو وہ رہے برکنار
وہ تعلیم سے پر ہوئے کامگار
جو تعلیم اُن کی نے پایا وقار
با ضمنی نتیجہ کریں یہہ شمار
محمدؐ کی تعلیم پر تھیسہ مدار
ہر اک قوم کا شرک ہوتا شعار
نبیؐ کی وہ تعلیم کے طرفدار
گھٹا اُن کی تعلیم کا جو وقار

محمدؐ کے پیرو غرض بڑھ گئے حقیقی وضمنی وہ عالی تبار
محمدؐ مسیح کے ہوئے مقتدی صحیح معنوں میں ہوئے غالب شمار
وہی ٹہیرے ان کے صحیح متبع وہی تا قیامت ہوں غالب شمار
یہی پیشگوئی کا مفہوم ہے خدا نے جسے ہے کیا آشکار
کہ غالب رہیں گے قیامت تلک مسیح کے حقیقی جو خدمت گزار
یہی معنٰے اس امر کے ہیں جو ہو سکتا ہے پیشگوئی شمار
نہ بخشے گا اللہ کبھی شرک کو وہ پوشیدہ ہو خواہ وہ ہو آشکار
جلی شرک دنیا میں ہیں اب قلیل خفی شرک کی لیک لمبی ہے تار
بڑہیں گے وہی لوگ دنیا میں اب رہیں گے جو ہر شرک سے برکنار
وہ بات باقی اب اک اور ہے یہودوں کی کیوں اب نہیں کچھ وقار
اگرچہ وہ بیزار ہیں شرک سے موحد وہ پکے ہیں عالی تبار
خدا نے لگائی ہے اک اور شرط جو ہے ایک جا پر ہوئی آشکار
اتارا کرے گا خدا جو کلام چلی جائے گی تا حشر جس کی تار
محافظ تا ٹہیرے کلاموں کا رب کلام اپنے سے جو ہے کرتا پیار
چلے گا امامت کا اک سلسلہ اماموں پہ بھید ہونگے تب آشکار
امامت کے بن ہے جہالت کی موت اماموں کے منکر بھی ہوں گے خوار
امامت کو نہ ماننا کبر ہے جو شرکِ خفی کی ہے باریک تار
نہیں مانتے ہیں امامت کو جو یہ چاہتے ہیں خود وہ ہوں عالی تبار
خلافت میں چاہتے ہیں ہونا شریک بنیں وہ امامت کے یا حصہ دار

اما مت کے بنتے ہیں گو یار قیب — یا شرکِ امامت کے تقصیر وار
امامتؓ خلافت نبوّت یہ سب — رسالت کی شاخیں ہیں یہ پربہار
خدا کی ہے مرضی سے اِن کا نزول — خدا بندوں پر کرتا ہے خود نثار
خدا کا ارادہ نہ کرنا قبول — صفاتِ خدا سے ہے کفر آشکار
امامت کو نہ ماننا گویا اب — صفاتِ خدا کا ہے شرک آشکار
اگرچہ نہیں ہے یہ شرکِ جلی — ولے ایک مخفی ہے شرک آشکار
سنیں اب علیؓ کی امامت کا حال — خوارج کے نزدیک تھی عیب دار
علیؓ تھے نبیؐ کے غرض ہم مزاج — علیؓ سے کیا کرتے تھے وہ پیار
مقولہ ہے مشہور ہمجنس سب — کیا کرتے ہم جنس سے ہیں پیار
اسی وجہ سے تھا نبی نے کہا — بحقِ علیؓ جو کہ تھے جاں نثار
علیؓ اور میں دونوں اک نور سے — ہوئے پیدا کہتا ہے پروردگار
علیؓ ہے نبیؐ سے علیؓ سے نبیؐ — خدا نے اِسے ہے کیا آشکار
ہے اس سے محبت نبی پر درود — ہو بغض اس سے بغضِ نبی ہی شمار
ہترا ہے اس سے نبیؐ پر ستم — تولا ہے اُس سے نبی سے پیار
مگر عائشہؓ اُن سے نہ ہوئیں صاف — ولے رکھا در پردہ اُن سے غبار
علاوہ ازیں کرتی تھیں رشک وہ — علیؓ سے نبیؐ کرتے ہیں کیوں پیار
گیا رشک آخر تنفر سے بدل — لڑائی پہ پہنچا جو انجام کار
خلیفہؓ سوم ہو گئے جب شہید — خلیفہ علیؓ ہوئے انجام کار
سنا عائشہؓ نے وہ گھبرا گئیں — مدینے سے چاہا کہ جائیں سدھار

زبیرؓ اور طلحہؓ صحابہ کرام
بڑے سب سے بیعت میں دونوں بزرگ
وہ خود چاہتے تھے بنیں ہم امام
سناتے ہیں بعضے محدث یہ عذر
چنانچہ انہوں نے کیں درخواستیں
ملے ان کو یا حصہ سب سے بڑا
خلیفہ دوم کے تھے وہ جانشیں
ملا سے ستہ مناظرہ میں شمول
علیؓ نے نہ مانیں وہ درخواستیں
ملے گا تمہیں حصہ یکساں پڑا
یہ اچھا ہے پر وہ نہ راضی ہوئے
لگے کہنے لوگوں سے وہ برملا
نہیں ڈھونڈتا قاتل عثمانؓ کے
گئے خدمتِ عائشہ میں وہ پھر
حقوق اپنے ثابت وہاں سب کئے
کہا انہوں نے ایسے انداز سے
کرایا انہوں نے ہے عثمانؓ شہید
علی پہ یہ طوفان باندھا گیا
کرلیے وہ تھیں نیم پھر چڑھ گیا

علیؓ کے ہوئے پہلے خدمت گزار
پہ آخر کو نادم ہوئے شرمسار
علیؓ سے بغاوت کو ہوئے تیار
کہ تھے طامع وہ دنیا کے طلبگار
بنیں کوفے بصرے کے عامل وہ یا
جو پہلے خلیفوں کے تھے رشتہ دار
کہ جس نے دیا ان کو تھا یہ وقار
انہیں عشرہ کا بھی تھا اک افتخار
رہو تم مدینے مرے مددگار
کہا یہ علیؓ نے انہیں آشکار
قناعت تو ان کا نہ ہوا شعار
علیؓ تو ہے لیتا تساہل سے کار
نہ ان کو سزا دیتا ہے ذی وقار
وہاں دونوں نے جا کے کی اک پکار
علیؓ کو بتایا وہاں عیب دار
تھے گویا علیؓ قتل کے راز دار
یا تھے کم سے کم قتل کے طرفدار
بجائیکہ تھے آپ نہ طرفدار
علیؓ پہ چڑھائی کو ہوئیں تیار

ارے لوگو عثمانؓ کا لو قصاص　　علیؓ کی نہ مانو کہا آشکار
وے لوگوں کو یہہ نہ معلوم تھا　　کہ عثمانؓ کو کہتی تھیں نابکار
بہانہ لڑائی کا تھا یہہ فقط　　سمجھتی طلحہؓ کو وہ تھیں حقدار
جو تھا چچا ان کا قرابت میں ایک　　خلافت کی ان کی وہ تھیں طلبگار
لگی کہنے لوگوں سے پھر بر ملا　　علیؓ یہہ نہ ہووے کوئی طرفدار
وہ چاہتی تھیں ہوویں علی یا تو قتل　　خلافت سے یا ہوویں وہ برکنار
بنائیں یا خونِ علیؓ سے حنا　　کریں قید یا اُن کو بے مددگار
اِسی غرض سے پھر کیا تھا خروج　　پہ آخر کو کی گرم جا کارزار
غرض جا پڑیں عائشہؓ جنگ کو　　نکالا وہاں دل کا اپنے بخار
ہوں ہیں جس کا مولا ہے اُسکا علیؓ　　ذرا اس پہ رکھا نہ کچھ اعتبار
ملایا کئی لوگوں کو اپنے ساتھ　　سپاہ ساتھ اُن کے ہوئی تیس ہزار
وہ کہلاتے اصحاب تھے جمل کے　　ہوئیں عائشہ اونٹ پر جو سوار
علیؓ پر نہ چاہتے تھے ان سے لڑیں　　صلح آشتی ہو نہ ہو کارزار
صلح کی جو انہوں نے کیں کوششیں　　کئی بھیجے قاصد وہاں مردانہ وار
تمامی وہ بے سود ثابت ہوئیں　　وہاں ہوئے اُلٹے ذلیل و خوار
علیؓ ہوئے مجبور جب ہر طرح　　تو وہ بھی ہوئے جنگ کو پھر تیار
وے آپ کا پلہ بھاری نہ تھا　　سپاہ آپ کی جو تھی جو کل بیس ہزار
بنا جھنڈا واں عائشہؓ کا وہ اونٹ　　سپاہ اب ہوئی برسر کارزار
لگاتے تھے ہاتھ سب اونٹ کو　　تبرک کے وہ تھے بڑے پاس دار

ازاں بعد جاتے تھے پھر جنگ میں — پکڑتے تھے یا اونٹ کی پھر مہار
وہ تھا گویا گو سایۂ سامری — وہ چاہتے تھے ہو جائیں اُس پہ نثار
علیؑ کی چڑھائی ہوئی اونٹ پر — وہ چاہتے تھے ہو یہ شتر بے مہار
ولے چاہتے اصحاب تھے جمل کے — ہو نہ شتر حرم نبیؐ بے مہار
بچاتے تھے وہ اونٹ کو مرتے آپ — وہ کرتے تھے جان اپنی اُس پر نثار
وہاں آتے تھے مرنے کو شوق سے — وہ فردوس کے گویا تھے طلبگار
اگر مرتا اک آتا واں دوسرا — پکڑتا وہاں اونٹ کی آ مہار
اگرچہ وہ سب مرتے یوں ہی گئے — دیا اونٹ کو ہونے نہ بے مہار
لگاتار ستر نے پکڑی واں باگ — ہوئے عائشہؓ پر گویا سب نثار
بدقت کٹے پاؤں اس اونٹ کے — بمشکل گرا اونٹ انجام کار
سپاہ نے جو دیکھا گیا اونٹ گر — پڑی ان میں پھر ایک سخت انتشار
ہوئیں عائشہؓ پھر تو مغلوب واں — جو طرفین سے کٹ چکے دس ہزار
زبیرؓ اور طلحہؓ ہوئے قتل واں — گناہوں سے ہو ہو گئے گو شرمسار
سپاہِ علیؓ سے نہ ہوئے وہ قتل — وہ خویشوں سے ہوئے ذلیل و خوار
جلایا علیؓ نے پھر اس اونٹ کو — پرستش نہ اس کی کریں نابکار
مورخ ہیں کہتے نہ مرتا گر اونٹ — سپاہ کھیت ہوتی وہاں تیس ہزار
ولے خیر گزری ہوئے کل کا خمس — علیؓ کے تھے جس میں قریب اک ہزار
موئے عائشہؓ کے وہ کل ساربان — ملا کر موئے جس کے کل نو ہزار
پشیمانی پھر اُن کو ہوئی وہاں — گناہ اپنے سے ہو گئیں شرمسار

لگیں کرنے کہنے ہیں خدمت کو پیش — علیؓ ہوئے اُن کے جو واں پاسدار
اجازت دے مجھکو لگیں کہنے وہ — رہوں ساتھ تیرے جو ہو کارزار
کیونکہ تیرے دشمن ہیں یاں بہت — وہ حرمِ نبی کی کرینگے وقار
اٹھائیں گے وہ تجھ پہ کوئی نہ ہاتھ — وہ ہو جائیں گے خود بخود شرمسار
علیؓ کو بھی منظور حرمت ولے — نبی کی وہ حرمت کے تھے پاسدار
ابوبکرؓ کا بھی انہیں تھا خیال — تھے ناموسِ بوبکرؓ کے پردہ دار
سرے سے علی کو نہ منظور تھا — کہ ہوں عائشہ آ کے باہر خوار
مدینے میں ہی رکھیں تشریف آپ — کہا پہلے تب بصد انکسار
اٹھائیں نہ کوئی مشقت یہاں — نبی کی نہ کھوئیں کوئی اب وقار
علیؓ نے بہن کی عزتِ عائشہؓ — کہ بھیجا یا واپس انہیں باوقار
مدینے انہیں بھیجا بھائی کے ساتھ — کیا عورتوں کو بھی ہمراہ سوار
لباس ان کو پہنا یا مردوں کا لیک — تا حرمِ نبی نہ ہوں رسوا خوار
ولے عائشہؓ نے یہ سمجھا تبھی — مدینے گئیں پہنچ جب باوقار
علیؓ کو تو پہلے تھیں کہتی برا — لگیں کہنے اچھا پھر انجام کار
کہا جاتا ہے کہ وہ دیتی تھیں رو — انہیں یاد جب آئی تھی کارزار
خروج ان کا لایا تھا لیکن پھل — ہوئے ہر طرف خارجی آشکار
ادھر منحرف ہوا پدرِ یزید — بنا شام کا آپ مختار کار
خلیفے کی بیعت کی پروا نہ کی — ہوا باغی و خاطی جاہل شمار
ادھر منحرف ہوئے سب خارجی — مسلمانوں کے قتل کو تھے تیار

جہاں جنکو پاتے تھے کرتے تھے قتل ‏— ملی ان کو پاداش انجام کار
کچھ وہ در پردہ تھے بے شمار ‏— پہ ظاہر ہوئے ان سے بارہ ہزار
تہائی ہوئے قتل در نہروان ‏— یہ تائب ہوئے باقی کے اٹھ ہزار
کبھی شیعہ بنتے کبھی خارجی ‏— کبھی ناصبی بنتے وہ آشکار
علیؓ سے وہ کرواتے تو یہ کبھی ‏— تذبذب میں رہتے نہ تھے استوار
انہوں نے چپائے علیؑ کو چنے ‏— لیا آپکو لینے دم نہ قرار
علی کا تو قاتل بھی تھا خارجی ‏— وہ تھا ابن ملجم ہی تو نابکار
کہ جس نے کیا تھا علی کو شہید ‏— وہ نتی کی اوجھل میں کھیلا شکار
شروع عائشہؓ سے یہہ ہوئے فساد ‏— شروع سے جو رکھتی تھیں دلمیں غبار
یہہ مشہور ہے ایک ضرب المثل ‏— اسی کا ہوئیں عائشہ تو شکار
وگر جاوے روتا کوئی ذی وقار ‏— خبر لاوے مُردے کی وہ دلفگار
خبر لاوے مردے کی روتا سفیر ‏— اسی مثل کا ہو گئیں وہ شکار
کیا زندہ در گور پیری کے وقت ‏— اسے بادشاہ نے جو تھا زوردار
وفات ہو گئی ان کی اس گور میں ‏— گرائی گئیں جس میں وہ دلفگار
وہ دعوتیں جب تھیں بلائی گئیں ‏— دھڑم گر پڑیں گڑھے میں دلفگار
نہیں قصہ یہہ ختم اس بات پر ‏— ابھی اس کا چلتا ہے آگے کو تار
شہادت ہے پاتی سب آل عبا ‏— شہید عرب کے ہوتے ہیں تاجدار
رہے کربلا جو تھے مثل مسیح ‏— کیا جان کو راہ رب میں نثار
قلم کو نہیں تاب لکھے وہ یاں ‏— یہ کرتا ہے عاجز یہہ اب اختصار

علیحدہ کروں گا میں اس کا بیان
بزرگوں سے میری ہے یہ التجا
کئی عبرتیں مضمر ہیں قصے ہیں
کیوں افک ہے درج قرآن میں
نہیں اُن کی عفت میں کوئی ہوا
یہ بدنام ہونا بھی اچھا نہیں
اگر کوئی حکمت نہ منظور تھی
یقیناً یہ بیت ہے اُن کی صبیح
نبی جی ہوے اُن سے کیوں شاک میں
کشیدہ رہے وہ کیوں ایک ماہ
کیوں چشم پوشی نہ اُن سے ہوئی
کیوں اُن سے قسمیں طلب کی گئیں
علی کو پھنسایا تھا کیوں عفت میں
تسلی نہ کیوں حرم کو پہلے دی
تسلی نہ فطرت نے کیوں دی انہیں
یہ ہے ثابت ہوتا گئے ڈگمگا
پیغمبر تو ہوتے ہیں سب کے امام
نہ پردہ رکھی حرم کی آپ نے
نہیں فوق اسلام فطرت میں کچھ

خُدا نے جو چاہا بصد انکسار
کریں خود بھی اس میں وہ اک وچار
دیے کرتا ہیں اُن سے ہوں اختصار
جو لکھتا ہے حرم نبی کی وقار
حرم محترم تو نہ تھیں داغدار
نہ ہو جس میں کچھ فائدہ نہ بہار
کیوں ہوئیں دنیا میں رسوا و خوار
یہ ذکر اُن کے سے ہمکو آتی ہے عار
وہاں اُن کا دل کیوں نہ تھا برقرار
کیوں ہوئی تحریر ساری یہ کار
کیوں نہ کسی کو وہاں آئی عار
نکالا کیوں یوں تھا دل کا بخار
کہ جن سے رکھا حرم نے اک غبار
کیوں رکھا الہام پر تھا مدار
پڑی روتی تھیں جبکہ وہ زار زار
جب امکان بہتان کا پایا وفار
انہیں رکھا فطرت نے جب استوار
یہ فطرت کو اپنی کیا آشکار
خُدا کہتا قرآن ہے بار بار

پیمبر کی فطرت ہے اُسوۂ عا
یہی افک باعث بنا قتل کا
ابو بکرؓ کا دل بھی ہوا اُچاٹ
کیا خرچ مسطح کا پہلے تو بند
ابو بکرؓ نے جو تھی بخشی خطا
حکومت ملی اُن کو محفل اس لئے
خلیفہ علیؓ ہونے کو تھے کہ پھر
لپیٹی اسی نے سب آلِ عبا
نہیں چھوٹی اسلام میں ہے یہ بات
کیا مظہر عبرت ہے اس قصے میں
سکھاتا ہمیں بات ہے کونسی
یا کہتا ہے جائز ہے گر شک کریں
یہ ہے الغرض شانِ پیغمبری
کہ شبہوں کے موقع پہ شبہے کریں
نہیں ظن گو جائز ہر موقع پہ
ہوں اس موقع پر شک کیوں ناروا
یہی موقع پر جائز ہیں شک سب
کہ ہے خیر اس میں نہیں کوئی شر
رکوع آٹھویں کی ہے آیتِ کریم

وہ اسوۂ حسنہ ہوئی ہے شمار
علیؓ کا زمانہ ہوا داغدار
یہ ہوں تک کی اُس نے تھا ذی وقار
اُٹھایا بدستور پھر اس کا بار
بڑھا اس سے بھی اُن کا کچھ کچھ وقار
بڑھا جسنے بہتان سے تھا وقار
دھرا رہ گیا اُن سے سب کا پیار
خلافت اِسی سے ہوئی داغدار
ہے تاریخ اسلام سے آشکار
کریں غور سے آپ اب اِنکار
کریں شبہوں کے موقع پر اعتبار
اگر فطرتاً ہم نکالیں بخار
نہ اُن کا ہی جو ہیں ذلیل و خوار
اگر یا دیں شبہوں کی امکانی تار
وہ بچہ جب پیدا ہو آشکار
نہیں خالی اس سے ہیں کیوں ذی وقار
نہیں اِفکِ طبعی غلط زینہار
یہی لکھا قرآن نے آشکار
پڑھیں سورتِ نور میں ایکبار

بڑا اس سے قصہ ہے مریم کا لیک
کہ جس نے تھا بچہ جنا آشکار

نہیں قصۂ عائشہ اس کا مثل
جسے سمجھیں محمود و عالی تبار

بنا ہی ہے قرآن میں مثل کی
پڑھیں سورت نور با افتخار

یہی سورت ہے مغز قرآن کا
اسی میں فرضنا ہا کی ہے پکار

اسی میں خلافت کا ہے تذکرہ
کہ جس سے ہے پیدا اسلام کا اک مدار

اسی میں ہے سب نور قرآن کا
سراسر وہ ہے نور [illegible]

نہ شرقی نہ غربی وہ ہے وسط کا
خدا کی طرف وہ ہے [illegible]

نہیں لکھا مریمؑ کے بارے میں یہہ
کہ خاوند ہی اس کا نہ ہو زینہار

کریں کیوں نہ پھر ظن جھوٹے یہود
وہ ظن ان کے محمود ہونگے شمار

اودھر سے جو خاوند نہ مانیں گے آپ
اودھر سے نتیجہ وہ ہے آشکار

یہودی ہیں سچے جو مانیں گے آپ
کہ مریمؑ کا خاوند نہ تھا زینہار

اگر تھا تو تھا وہ نہ عیسےٰؑ کا باپ
کہ جو ہوسکے حمل میں حصہ دار

کہیں گر یہودی نہ مانیں گے ہم
تو کس منہ سے ان کو دکھاوگے ہار

اک ہار تو ہارنے کا ہے نام
دگر ہار ہے عائشہؓ کا وہ ہار

جسے ڈہونڈنے گئی تھیں عائشہ
کیوں اس پہ لا دیں گے وہ اعتبار

سنیں اور ضمنی ضمیمہ نیک
کہ جس پر ہے داناؤں کا انحصار

عقائد غلط ہی تو موجب بنیں
عقاید کا ان کے [illegible] غبار

نہیں مانتا اس کو میں ہوں فقط
یہی مانتے سب ہیں عالی تبار

کہ کاٹے جو کتا ہو ملزم ولی
جو ہے پالتا اس کو [illegible]

گلستاں میں ہو گا پڑھا آپ نے
نہ سنگ دامن کاروانے درید
کہ دہقانِ نادان کہ سگ پرورید
یہی حال مریم کے ہے حمل کا
بالفاظِ دیگر وہی لوگ ہیں
جو کہتے ہیں خاوند رکھتی تھیں وہ
یہودیوں کے سب جھوٹے بہتان اب
کیا ہو اگر باندھتے خود نہیں
بزرگوں کی عزت کو کھوتے ہیں
نہیں منتقل ہو سکتے منکر تمام
نہیں بدل انساں کی سکتی سرشت
اگر منکر ہو جائیں سارے ہلاک
نہ مرتد ہوں اور نہ ہوں وہ ہلاک
خیالات بھی سب ان کی جائے بدل
نہیں دور ان سے کہ وہ مانیں سب
ولے جب نہیں کوئی موجود بات
کہ عیسیٰ کا والد نہ تھا زینہار
کیوں ہم یہ پھر موقع لوگوں کو دیں
وہ پاکوں کی عزت کو کوسا کریں

جہاں لکھتا سعدی ہے یہ آشکار
جواب اس کا دیکھو ہے پر افتخار
ذرا سوچیں اس کہاوت کی کیا ہے سار
جو خاوند نہ پائیں وہ ستوائیں یار
جو لدواتے اس پہ ہیں طعنوں کا بار
ہوئیں غیب سے خود بخود بار دار
انہیں کی وہ گردن پہ ہونگے سوار
جو بندھواتے لوگوں سے ہیں بار بار
وہ ستواتے اس کا ہیں در پردہ یار
جو دنیا میں ہیں اب ہزاروں ہزار
کرے جتن خواہ کوئی لاکھوں ہزار
رہیں پیچھے مومن بھی استوار
نہ بندھ سب میں ہوں نہ وہ ہوں عیب دار
معرّا ہوں غیرت سے وہ ذی وقار
کہ مریم ہوئیں خود بخود بار دار
کریں سادگی سے کیوں اعتبار
ہوئی غیب سے ان کی ماں باردار
کہ بہتان باندھا کریں نابکار
وہ پھوڑا کریں دل کے اپنے بخار

گناہ ان کا ہم پر ہی لوٹے گا سب — جو واللہ نہ مانیں گے ہم زینہار

سنیں اور ناز کتر اک بات اب — کہ جس پر نجاتوں کے ہیں سب مدار
اگر مانیں مریم کو تھا حملِ غیب — نہ تھا مرد جس میں ذرا حصہ دار
اگر یہہ صحیح ہے یہہ ہے بے نظیر — کریں حوا آدم سے اپنا شمار
نہ پائیں گے ایسی کوئی عورت آپ — بدوں مرد کے ہوئی ہو باردار
رہا پیٹ میں جس کے فرزند ہو — ہو جیسی کے مہینوں کا پورا شمار
وہ خواہ نو مہینے ہوں خواہ ہوں وہ چھ — کہ نطفی حمل کے یہی ہیں شمار
نہیں ہوتا تلقیح ہے بیضہ تو خود — اگر ہوتا ہو دیں مثالیں دو چار
حمل تا ہو مریم کا نہ بے نظیر — نہ تہمت کا اس پہ کریں کچھ وچار
اک آدم کی بعضے ہیں دیتے مثال — وہ آدم تو عورت نہ تھے زینہار
جنا تھا نہ بچہ کبھی آپ سے — نہ مانندِ عورت ہوئے باردار
نہ تہمت تھی اُن پہ لگائی گئی — نہ تھا بشر اُن کا گواہ زینہار
نہ زندہ کوئی بشر تھا تب وہاں — جو بہتان کا کرتا وہ افتکار
اگر دوسرا آتا طوفانِ نوح — کہ جس میں نہ بچتا کوئی زینہار
اکیلی مگر بچتیں مریم فقط — نہ زندہ کوئی ہوتا جب زینہار
تا کرہی نہ سکتا کوئی ان پہ شک — نہ کہہ سکتا ان کو بغی زینہار
نہ قانوں سے اُن ہی ہوتا کچھ — نہ بہتان کا اُن پہ چل سکتا دار
تو آدم سے تشبیہ ہوتی درست — وہ ہو سکتی تھیں بلکہ بڑھ کے شمار

وہ کوئی صورت یہاں جب نہیں
پہ بعضے ہیں کہتے مثالِ مسیح
بلا شک ہے قرآن میں آیت ایک
پڑھیں آلِ عمران کو آپ گر
رکوع چودھویں کی وہ ہے پانچویں
نئی مانگی پھبتت ہے ان کے لئے
نہیں بابت ولی ثابت ہے یہ
نہیں ابنیت کا اس میں بیان
اگر دیکھیں قرآن کو غور سے
الوہیت عیسےٰ کا ہے وہ رد
نہیں لکھا تمثیل کے ضمن میں
ہمیں کہتا گو دوسرا ہے مقام
احاطۂ تشبیہ تو محدود ہے
احاطۂ تشبیہ نہیں ہے وسیع
خدا کا ہے مقصود جو ہے عیاں
کہ عیسیٰ تھے انسان آدم کی مثل
کہ آدم و عیسےٰ تھے دونوں بشر
تو بے پدر ہوا ہے کوئی بیان
سکھاتی ہے تشبیہ آدم یہی

تو کیوں دیویں تمثیل کو ہم وقار
ہے آدم کی مانند ہوئی شمار
کہ جس میں ہے تشبیہ ہوئی آشکار
سیپارے سوم میں کریں افتکار
کہ جس میں مثل ہوئی ہے آشکار
جو منکر ہوں تشبیہ سے عالی تبار
کریں غور سے اس میں آپ افتکار
یہ دھوکا نہ کھاوے کوئی ذیوقار
کھلے گا یہی ہم پہ انجام کار
جہاں لایا تمثیل پروردگار
کہ ابن اللہ عیسے نہ تھے ذیوقار
نہیں جس پہ تمثیل کا اعتبار
کریں آپ بھی اس کو تنگ ہی شمار
خدا نے تو کی اس کی حد ہے شمار
کیا اس نے ہے خود بخود آشکار
خدا نہ کہو ان کو تم زینہار
ہوئے خاک سے پیدا وہ ذیوقار
وہ دونوں ہی یکساں ہوئے ہیں شمار
نہیں ہوتا مخلوق خالق شمار

پیمبر وہ دونوں ہی مخلوق ہیں
کریں آپ اُن کو نہ خالق شمار

کہ خلقت میں یکساں ہیں سارے بشر
ہیں سب بندے مٹی سے ہوئے تیار

نہیں کوئی تخصیص عیسیٰ ہے جب
تو آدم سے بڑھکر وہ کیوں ہوں شمار

تمہارے کا رد اس میں مقصود ہے
جو کرتے ہیں عیسیٰ کو برتر شمار

جو کہتے ہیں آدم گنہگار تھا
گناہوں کا اس کے نہ تھا کچھ شمار

کہا مانا تھا اس نے شیطان کا
نہ رحمان کا مانا تھا [illegible]

وہ کھا بیٹھا پھل جو کہ ممنوع تھا
نتیجہ اس پہ تھا شیطاں [illegible] سوار

بنا وہ گنہگار رحمان کا
وہ ہوا تھا مجرم ذلیل و خوار

وہیں اللہ نے پھر تو فرما دیا
جنم لوں گا انسان میں میں ایکبار

مرکب وہ انسان ہوگا مسیح
وہ معناً خدا ہووے گا آشکار

نہ شیطان کی ہوگی واں دسترس
وہ ٹھیرے گا مجرم نہ تقصیر وار

اُسے بھی کہیں گے اک آدم دوم
مقابل میں پہلے کے ہو ذی وقار

وہی ہوگا نورانی آدم دوم
وے پہلا آدم تھا تقصیر وار

ارے لوگو عیسیٰ وہی آدم ہے
کرو اس کو آدم سے بڑھکر شمار

کہ پہلا تو آدم تھا ظلمانی ہی
نہ تھا نور ربی کا وہ حصہ دار

وہ پہلا تو آدم تھا انسان ہی
یہ تھا دوسرا نیز پروردگار

ملی تھی یہ پہلے ہی کو تو سزا
کرے آپ محنت سے روٹی تیار

تھا شیطان نے جب دبایا اُسے
بنا امر ربی کا تقصیر وار

لہٰذا بہشت بھی چھینا گیا
جو عریانی یا نوری تھا آشکار

عتاب اس کی بیوی پہ بھی یہہ ہوا
اطاعت کرے اپنے خاوندکی وہ
کرے گی وہ شوق اپنے خاوندکیطرف
جنے گی وہ بچے بدقت تمام
اُٹھائیگی تکلیف وہ درد سے
چلیگا یہہ قاعدہ آگے کو
مبارک [illegible]ی تھا آدمؑ مگر
تقاضہ یہہ [illegible] رحمِ خدا کا ہوا
مُقیّد کیا اُس نے شیطان کو
اُڑیں تب سزائیں بھی یکلخت سب
چنانچہ ہوا چھوٹتے ہی یہہ فضل
دیگر دیکھو اُس پہ یہ رحمت ہوئی
پھر عیسیٰؑ پہ ہوا یہ فضلِ سوم
وہ تھے کھاتے خوشوں کو خود توڑ کر
کبھی توڑتے پھل تھے انجیر کے
جو دیتے نہ پھل تھے وہ زیرِ عتاب
اٹھایا گیا غرض جو باغِ عدن
سیاہ ہوا آدم کا تو تھا لباس
نہیں ہوئے یہہ ظاہری فیض ال[illegible]

وہ مرد ہی سے ہوا کرے باردار
نہ حکم اس کا ٹالے گی وہ زینہار
وہ خاوند بھی اُس سے کرے گا پیار
وہ چلائے گی درد سے بار بار
کرے گی وہ وقتِ ولادت پکار
نہ گزریں گے جب تک برس چند ہزار
مقدس مطہر وہ تھے اک اوتار
سُنی اس نے دکھوں کی جو سب پکار
مسیح کو بنا بھیجا اُس نے اوتار
خورشی خورمی کی جو آئی بہار
کہ مریم ہوئیں خود بخود باردار
کہ جننے کے وقت اُس نے کی نہ پکار
ہوئیں فصلیں گندم کی از خود تیار
تھے حمدِ خدا گاتے لیل و نہار
اُگے گویا خودرو تھے وہ آشکار
اُسی دم کو تھے سوکھنے کو تیار
زبانِ مسیح میں ہوا آشکار
لباسِ مسیح بن سیاہ تار دار
ہوئے باطنی بھی کئی آشکار

ہوئیں ساری موقوف قربانیاں   جو قربان عیسےٰ ہوئے آشکار
خدا اور بندے میں حایل مسیح   ہوئے لیکے اُنکے گناہوں کا بار
گناہوں کو پھر واں چلایا گیا   جو رُوح القدس کا ہوا انتشار
محبت کا ڈنکا بجایا گیا   چلی دنیا میں پھر تب اک بہار
ہوا فضل ربی کا یہہ اقتضا   شریعت کا پھر اٹھ گیا اقتدار
شریعت ہٹی دنیا سے پھر تمام   طریقت حقیقت ہوئے آشکار
خلاصہ ہے یہ عیسویت کا سب   کریں جو لوگ چاہیں اعتبار
مگر الٹ کہتے ہیں جو ہاں یہود   کہ عیسےٰ دغا باز تھا کجکار
بنا ہوکے مقتول ملعون وہ   شریعت یہی کہتی ہے آشکار
شریعت نہیں ہوتی منسوخ ہے   پڑیں چیخیں سب لوگ خواہ بار بار
شریعت کی لعنت نہیں سکتی ٹل   کرے خواہ کوئی جتن لاکھوں ہزار
مسیح کی ولادت بھی ملعون تھی   (معاذ اللہ) ماں اس کی تھی نابکار
یہ روح القدس مکر کا ہی تھا نام   جو حواریوں پہ ہوئی آشکار
ازاں بعد جو ہوگئی منقطع   ہمیشہ رہی نہ وہ کچھ لیا برقرار
محبت تو عشق کا ہی اک نام ہے   جو یورپ میں اب ہے ہوا استوار
پرانے زمانے میں یہ پاک تھی   نصارے کو تھا جس پہ اک افتخار
زمانے کی حالت دگرگون ہے   اسیر ہوئے ہیں عشق کا اب شکار
زرو مال کے تو بھی کھیتی ہیں   رہا دین کو اب نہیں وہ وقار
نہیں ہے ضرورت جوان کے لئے   اک بیوی پہ ہی کرے اقتصار

بلکل نکاح سے رہے باز وہ
کیوں ایسا نہ ہو کہ ہر ایک مرد
نصاریٰ کے جو ہیں یہ سارے قیاس
یہودوں کے بھی جو جو بہتان ہیں
وہ توڑے خدا نے ہیں قرآن میں
کیا ثنا عدا اُس نے یہہ ہے زور سے
نہ [illegible] نی کا آیا کنعان میں
چرایا نہ خاوند سے جی جیتے جی
اُسی کی طرف تھا بڑھا اُن کا شوق
بچیں دردِ زہ سے وہ ہرگز نہ تھیں
مسیحؑ اور آدمؑ تھے مخلوق رب
وہ دونوں تھے اک دوسرے کے مثیل
اگر لغزشیں کیں تو دونوں نے کیں
نہ آدمؑ تھے معیوب نہ تھے مسیحؑ
غرض آدمؑ و عیسیٰؑ دونوں مثیل
نہ آدمؑ خدا تھے نہ عیسیٰؑ قدیر
برابر تھے درگاہِ ربّی میں جب

رہیں عورتیں بھی جو نہ پردہ دار
کرے چاہے گر لے بیاں وہ ہزار
کہ جن کی ہیں کرتے وہ گھر گھر پکار
جو ٹھہراتے عیسیٰ کو تقصیر وار
کیئے آدم و عیسیٰ یکساں شمار
اسی ایک آیت سے با اختصار
نہ مریم تھیں از خود ہوئیں باردار
رہیں بلکہ اُس کی وہ خدمت گزار
اُسی سے ہوئیں پھر وہ تھیں باردار
رہا خاوند اُن کا وہاں پاسدار
برابر و یکساں تھے عالی تبار
نہ آدمؑ تھے بد نہ مسیح نابکار
ارادوں میں پر نہ تھے وہ عیب دار
جو ملعون کہتے ہیں ہیں نابکار
وہ پیدا ہوئے مٹی سے ذیوقار
نبی تھے مگر دونوں وہ ذیوقار
ہو آدمؑ سے بڑھکر مسیحؑ کیوں شمار

مسیح کی لغزش کا قصہ: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... سورہ مائدہ رکوع ۱۶ کی پہلی آیت میں مذکور ہے

اگر چاہو قربانی کا پوچھنا
خدا کی حضوری میں ہونا مطیع
بغض رکھنا جن سے خدا غصے ہو
یہ اسلام قربانی ہے برملا
یہی تو ہے کہلاتا اکبر جہاد
محبت کا اصلی یہ ہے اقتضا
لذائذ سے رہنا بہت دور دور
غلاموں کو دیدینا ملکوں تلک
اٹھاتا نہیں بوجھ اک کا دگر
نہیں مانتا گر کوئی بات یہ
نہیں ٹال سکتا کوئی بھی عذاب
اٹھایا کرو آپ اپنی صلیب
زنا کے نہ ہونا کبھی مرتکب
تجاوز نہ کرنا پر اس سے کبھی
حمایت نہ رہبانیت کی کرو
شریعت طریقت کا ہے اک لباس
اسی کے ذریعے ہے سب معرفت
نہیں موسوی ہے شریعت غلط
یہودی مسیح سے جو بیزار ہیں

تو وہ تجھ ہے اسلام ہی آشکار
بلا اجر لوگوں سے کرنا پیار
نہ مرنے سے ڈرنا ذرا زینہار
مگر اپنے ہی نفس کی بار بار
جہاد اکبر اس سے تو ہے شمار
خدا کے پیاروں سے کرنا پیار
براہ خدا مال کرنا نثار
یہی دین اسلام کے ہے شعار
خصوصاً معیصت ہو جب آشکار
ثبوت ہے یہ بیماری سے آشکار
خدا کا وہ نازل ہو جب آشکار
یہی کہتا اسلام ہے بار بار
کی و چاہو گر پی بیاں تا بچار
مبادا بنو تم ذلیل و خوار
تا شیطان تم پہ نہ ہووے سوار
حقیقت اسی سے تو ہے آشکار
اگر یہ نہ ہو تو ہو خلقت خوار
کرو اس کے معنوں میں پر افکار
بتاتے ہیں ملعون اسے نابکار

دلائل یہہ اُن کے ہیں پر سب غلط ۔ کریں آپ اُن کا نہ کچھ اعتبار
وفاتِ مسیحؑ نہ ہوئی بر صلیب ۔ وہ ملعون کیوں ہو پھر عالی تبار
دیا چھوڑ دم " یہہ نہیں موت ہے ۔ کہ اس میں تو موجود ہے اختیار
دیا جان کو " یہہ نہیں ہے دِمار ۔ طرف اپنی سے اُس نے جان کی نثار
نہ لی پر خدا نے وہ جانِ عزیز ۔ غشی سے اُٹھا جی جو عالی تبار
یہی بار تا عد کہتے ہیں آتی ہے یوں ۔ اُٹھے موت سے جی وہ عالی تبار
تمہارے [illegible] انہیں مل گیا ۔ ہیں جو وہ مرفوع عالی تبار
یہہ و [illegible] ے کی سب حجتیں ۔ کہ جن پر ہے دونوں کو اک افتخار
با حسن وجوہ درج قرآن میں ۔ کرے کاش کوئی مگر افتکار
اگر وقت ہوتا میں کرتا بیاں ۔ یہ کرتا ہوں میں اُن سے یہ اختصار
یہی آیت الغرض فرماتی ہے ۔ بلا باپ عیسیٰؑ نہ سمجھے زینہار
مسیحؑ جیکہ آدمؑ کا ہووے مثیل ۔ ہو مریمؑ نہ کیوں حوّا سی باردار
ولے سمجھیں گے لوگ سمجھیں گے جب ۔ تمہارے جو کرتے ہیں پھر تے پکار
اگر ڈالیں گے کانوں میں انگلی ۔ سرایت کرے گی وہ خوں میں پکار
پھر اک وقت لوگوں پہ آئے گا وہ ۔ اُٹھے گی بزودان کے خوں سے پکار
تو ناچار کہنا پڑے گا انہیں ۔ الٰہی کہاں سے ہے آتی پکار
مبارک وہی جو کہ سن لیں گے اب ۔ تدارک کریں پہلے ہی ذوالوقار
غلط جو عقاید ہیں اُن سے بچیں ۔ ابھی پھیر لیں اپنے دل کی مہار
پڑے گا غرض اُنکو یہہ ماننا ۔ کہ تھی بہرے مریمؑ ہو ئیں باردار

اگر کوئی ضد سے نہ مانے گا یہ
یہودی پہ بننا پڑے گا اُسے
کیا عجب ہے ہو وسے وہ ہی سماں
محمدؐ کی امت پہ آئے گا وقت
اگر جائیں گے گوہ کی بل میں یہود
نہ ہوگی یا کہنا پڑے گا اُسے
پڑے گا کہنا وہ تھا حمل غیب
اگر ہوتی موجود اک ہی نظیر
تو کہتے کہ آئی ہے ہوتی یہ تب
ولے جب نہ انسانوں میں ہو نظیر
کیوں مانیں اس کو نہ مجبور ہم
تکلف وہ فتووں کی ہونگیں کیوں
کر لگوائے لوگوں سے بہتاں آپ
یا مانیں کہ وہ تو تھیں زوجۂ رب
یہودوں کے قولوں پہ کی انگشت
جبلّت انہیں کی ہے تائید ہیں
نہیں حق ہم کو تحکم کریں
خدا کو نہیں قول ظالم پسند
جو فطرت کو مانے وہ ظالم نہیں

تو کہنا پڑے گا وہ تھیں عیب دار
انہیں کا سا رکھے گا جو وہ شعار
حدیثوں میں آیا ہے جو آشکار
یہودوں کا سا رکھے گی وہ شعار
مسلماں کہیں گی ڈھونڈیں گے وہاں بھی جا
ہے گا وہ پہ آدمی آشکار
نقل اُس کی لیکن ... شکار
کیا ہوا اگر ہیں نہیں [illegible] ر
تھیں حمل ایسے کا کیوں ہم وچار
نہ کیوں مانیں مریمؑ کو پروردگار
وہ ہو سکتی ہیں کیسے مختار کار
خدا نے کرایا انہیں کیوں خوار
نہیں جرم مریمؑ کا کچھ زینہار
بھی اُن کا ہو اظہار قدار
جو ہیں مانتے اُن کو تھیں نابکار
تفکر سے سوچو ذرا ایک بار
تحکم ہے بچوں کو کرتا خوار
ہے مظلوم کی وہ تو سنتا پکار
یہی کہتا اسلام ہے آشکار

یہہ دعوے اُسے ہے کہ فطرت ہے وہ — جبلت پہ سب اس کا ہے انحصار

جو فطرت کو مانیں وہ ملعوں ہوں — کیا کہتے ہیں جن کے ہوں یہ شعار

خدا لگتی کہنا ہے کیا اِس میں جھوٹ — ہے انصاف پر جبکہ اس کا مدار

کیا فرق ہے کفر و اسلام میں — ہے کس بات میں اُس کو اب افتخار

تحکم کو بحثوں میں رکھے روا — دلائل میں اُس کا ہو گر یہہ شعار

تحکم [illegible] تا ناظر کو جائز نہیں — یہہ قرآن نے بھی کیا آشکار

خدا [illegible] ہا کہ ثابت کرے — کہ قرآن اُس نے دیا ہے اتار

تو فر[illegible] آؤ تم سب گواہ — یہ کرتا ہے مِن دونِ رب کی پکار

خدا نے ہے تاکید سے یہ کہا — نہ ٹھیراؤ رب کو گواہ زینہار

بناؤ جو آیت کوئی اس کی مثل — خدا کی قسم کھاؤ نہ زینہار

نہیں فیصلہ ہوتا قسموں سے تو — فریقین کی قسمیں یکساں شمار

تو مریم کے بارے میں پھر کسطرح — خدا کی قسم سے نکالو گے کار

سناؤ گے تم خصم کو کیسے بات — عقیدہ خدا نے کیا آشکار

اجازت نہیں خصم دیں گے تمہیں — دلیلوں کے ہی ہونگے وہ طلبگار

کلام اُن کی جب آپ ہیں پرکھتے — تو قسموں کا اُن کی نہیں اعتبار

تو کس منہ سے رکھو گے اُن سے امید — کریں آپ کی قسموں کا اعتبار

کہیں گے وہ قرآن کو افترا — تحکم پہ جو رکھتا ہے انحصار

نہیں قولِ ربی کہیں گے وہ یہ — بنا یہ ہے تم نے یہ مکروں کا تار

غرض وہ سنیں گے تمہاری نہ بات — جو تم سننا چاہتے نہیں زینہار

وہ کس منہ سے ٹھہراؤگے ہیں لعین
اگر چاہو ہو دیں تحکم یہہ دور
وگر نہ پڑے گا اُسے ماننا
مسیح جس کا تھا پسر اکلوتا ایک
نصاریٰ جو ملکانی فرقے کے تھے
تھے جسمانی تثلیث کو مانتے
اسی قسم کی بات اب کہتے ہیں
خدا اکر کے گرچہ نہیں مانتے
اُسے کہتے ہیں ماں خداوند کی
وہ تھے بے خبر اصلی تثلیث سے
نہیں مانتا اِس کو قرآن لیک
نہیں تین اقنوم ہیں رب کے
اللہ ہی ایک اُس کا اصلی ہے نام
اقلّ نام لیکن فقط تین ہیں
وہ رحمٰن اِک ہے دوم ہے رحیم
رسالت کا رحمٰن کرتا نزول
تقاضا ہے رحمانیت کا یہی
نہیں چاہتا ہے کہ خلقت مری
وہ بھیجا ہے کہتا کلام انبیا

اسی برتے پر کرتے ہو افتخار
تو مانو وہ شوہر سے تھیں باردار
خدا کی تھی زوجہ یا پروردگار
کہیں گویا تثلیث ہی پر مدار
اسی پر تھا اُن کے دیں کا مدار
وہ ماں باپ بیٹا تھے ہوتے شمار
وہ رومن کیتھلک [illegible] قار
پہ مریمؑ کو دیتے ہیں [illegible] قار
خداوند جس سے ہوئے آشکار
کہ جن کا ہے روح باپ بیٹا شمار
مگر وہ تو کرتا ہے یہ آشکار
وہ اسمائے حسنیٰ کے ہی ہیں شمار
یہ خود تو صفاتی کا کُل ہے شمار
صفاتی کا جن میں ہے دو ہی شمار
کریں آپ بسم اللہ میں افکار
بشر ٹھیک آجائے اُس کی بہار
کہ کرتا ہے دنیا سے رحماں پیار
گناہوں میں ڈوبے وہ ہو خوار زار
جیسے ہے دیتا وہ بارش اُتار

یہہ بارش تو آیا ہے کرتی مدام
یہی حال روحانی بارش کا ہے
کبھی بھی نہ ٹوٹیں گے یہہ سلسلے
قیامت ہی آجائے ٹوٹیں یہ گر
جو کرتے ہیں رحمانی با[illegible] قبول
دلوں کو وہ کرتا ہے سرسبز پھر
رحیم [illegible] دکھلاتا یہہ قرآن سے
غذا [illegible] الی ہے تسکین پھر
تر و تازہ کرتی ہے رہتی انہیں
یہی فیض ہوتا ہے روح القدس
نہیں اس کا ہوتا ان پہ نزول
جمع دونوں گر ہوں تو دنیا بسے
جو یہ منقطع ہوں تو مر جائیں لوگ
بڑے جو ہیں کھا جاویں لوگوں کو وہ
کہیں قتل بچے ہوں چوری کہیں
ادھر گرم بازار فسق و فجور
زنا و شراب و کباب و سرود
ریا و ربا و ضلالت مگر
غرض اللہ کی جو جو ہیں رحمتیں

ولے اس کا موسم تو ہے آشکار
وہ آتی ہے جب اس کی آوے بہار
قیامت ہی جب تک نہ ہو آشکار
انہی بارشوں پہ تو ہیں انحصار
رحیم ان کو دکھلاتا ہے اک بہار
تر و تازہ ہوتے ہیں وہ جوں انار
فرشتے ہیں سیر کرتے ان پہ اتار
ہے شبنم کی مانند جس کا اتار
اٹھائیں جو بارش کی پہلی بہار
غذا جس پہ چاہتا ہے دیتا اتار
اٹھاتے نہیں جو ہیں مینہ کی بہار
کہ دونوں پہ دنیا کا ہے انحصار
سبھی لوگوں کا پھر تو یہہ ہو شعار
ہوں کمزور زور آوروں پہ نثار
قطع رحمی لوگوں کا ہو پھر شعار
ادھر ظلم پہ لوگ رکھیں مدار
فساد و حسد کی ہو ہر سو پکار
قساوت پہ ہی لوگوں کا ہو مدار
رحیم اور رحمان میں آشکار

خدا کی اوّل صفتیں دو ہیں یہی
انہی پر ہے آبادی کا سب مدار

شروع ہوتی بسم اللہ دونوں سے ہے
یہہ آتی ہیں قرآن میں بار بار

صفاتِ دِگر انہی کی ہیں فروع
بتدریج بڑھتا ہے اُن کا شمار

مگر اِک خدا ہے وہ ہے ذات ایک
جسے اللہ کہتے ہیں عالی تبار

فقط تین ہیں نام اُس کے اوّل
یہ تثنیت کا پھر اک پہ ہے اقتصار

صفاتی ہیں دو اور ذاتی ہے ایک
یہ لکھے ہیں بسم اللہ میں [illegible] آشکار

صفاتی نہیں ہوتے دو سے ہیں کم
نہیں دو کا [illegible] سکتا [illegible] شمار

صفاتِ دگر انہی کی شاخیں ہیں
انہی کی ہے اک شاخ [illegible] گار

دُوُم شاخ ہے مالکِ یوم الدین
کرو فاتحہ کے شروع افتکار

جہاں پنج ہی ہوئی ہیں کل بیان
کہ جس میں ہوا اللہ بھی ہے شمار

نہیں پنج پر لیک ہے انتہا
نو دو نو تک اُن کا ہے جاتا شمار

یہہ ساری ہیں مذکور قرآن میں
عَزِیزٌ حَکِیْمٌ غَفُوْرٌ سَتَّارٌ[1]

کَرِیْمٌ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ عَظِیْمٌ
قَوِیٌّ مَتِیْنٌ جَلِیْلٌ قَهَّارٌ

حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ
وَلِیٌّ عَلِیٌّ حَفِیْظٌ جَبَّارٌ

سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ وَهَّابٌ رَزَّاقٌ
مُعِزٌّ مُذِلٌّ وَدُوْدٌ غَفَّارٌ

یہہ اِک ثُلث کا ہی ہوا ہے بیان
کہ دو ثُلث کا بھی ہے ایسا شمار

یہی ہے بیاں اصلی تثلیث کا
نصاریٰ کو جس پر ہے اک افتخار

---

[1] ستار۔ قہار۔ جبار۔ غفار۔ اگرچہ مشدد ہیں لیکن ضرورت شعری کی خاطر مخفف کر لئے گئے ہیں۔ کیوں کہ عموماً اکثر لوگ اردو میں انہیں مخفف کر کے بولتے ہیں۔ ۱۲

یہی کھولا قرآن نے تو ہے بھید
یہی متن میں اور دیباچے میں
ہر اک اک سورت کا یہہ ہے شروع
ولے یہہ تو ہر اک کے اجمال ہیں
دلائل ہیں منفی ہوئے [illegible] اب
کہ قرآں [illegible] ہے مقدس کتاب
زمر [illegible] کھلاتا [illegible] جو [illegible]رت پڑھیں
خدا [illegible] ت وہ فرماتا ہے
سمجھ آوے کامل تاول ہوں رفیق
ہو توفیقِ اعمالِ حسنہ ہمیں
خدا کی یہ ہے ایک قدرت عجیب
یہی بھید دو بارہ لکھنے کا ہے
اگر دیکھیں آپ آلِ عمران میں
اگر دیکھنا چاہیں تفصیل کو
بشارت ہیں دیتے فرشتے اُسے
کریں غور گر اُس کے عذروں میں آپ
تو معلوم ہو گی یہ قدرت عجیب
ہے درج اِک عذر آل عمران میں

اِسی کو ہے اُس نے کیا آشکار
نہ اِکبار بل اکیسو چودہ بار
کہ ہے رنگ برنگ کی ہر اک میں بہار
مفصّل تو سورت میں ہے لوگا
سنیں آپ مثبت دلائل کی سار
وہ لاَرَیْبَ فِیْہِ کہتا ہے آشکار
رکوع تیسرے میں ہے یہہ اِذکار[۱]
کہ مشکل سخن درج ہیں بار بار
کرے لرزہ بدنوں میں پھر اک اتار
گنا ہو شیہ ہم کو نہ ہو اِقتدار
بیاں ذکر مریم کا ہے بار بار
کہ مجمل کی تفصیل ہو آشکار
وہاں اُس کے قصّے میں ہے اختصار
تو مریم کی سورت پڑھیں ایکبار
کہ بچہ جنے گی تو آسنے با وقار
جواباً جو اُس نے کئے آشکار
خدا نے ہے کی کس طرح آشکار
یہ حرم میں ہوئے ہیں دو آشکار

[۱] اذتکار بروزن افتعال کا اذکار بن گیا ۱۲

یہی حال باقی کے قصے کا ہے
ہے مذکور ہر بات دو دو ہی بار

کذلک یہ پہلے تو وقفہ نہیں
لیا وقفے نے دوسرے پر اتار

کذالک ہے اک آل عمران میں
دوم کا ہے مریم میں ہی اذکار

کذالک مثالی وہ شوہر کا ہے
کہ جس پر ہے تفہیم کا سب مدار

نفخنا میں فیہے کا فیہا بنا
ذرا سوچیں اس موڑ کی کیا ہے سار

مثانی ہے مذکور قصہ کیوں
ذرا سوچیں گر دین سے ہے پیار

بتنگڑ بناتے ہو کیوں بات کا
خدا نے تو ہے حق [illegible] ہے آشکار

نہیں کہتا لامستہا بشر وہ
کہا احصنت اس نے [illegible] دلوں بار

خدا کی شہادت بڑھائیں نہ آپ
جو کرتا پڑا اس میں ہے اقتصار

وہ دعوے ہے مریمؑ کا نہ رب کا
نہ مریمؑ ہماری ہے پروردگار

جو ہم مانیں گویا وہ ہے امر رب
جو فرمایا ہے عذر میں دونوں بار

نہیں چھوا ہرگز مجھے مرد نے
نہ میں قوم میں ہوئی ہوں داغدار

اگر سوچیں مریم کے عذروں کو آپ
حقیقت سب ہو جائیگی آشکار

نہیں عذر یہہ ایک یہہ تو ہیں دو
حمل کا تو ہوتا ہے اک یہ شعار

یہہ دونوں ہیں اک دوسرے کے نقیض
وگرنہ یہہ دونوں ہیں یکساں شمار

برابر ہوں دونوں تو معنے یہہ ہوں
زنا میرا ہرگز نہیں تھا شعار

نہ چھیڑا تھا مجھ پر کوئی غیر مرد
نہ میں نے تھی کی اس سے بوس و کنار

کیا کہنے واہ واہ ہیں ایسا بات کے
نکالا ہے مریم نے کیا تجار

قیاس اس کے میں رہے زنا کے سوا
جو ممکن تھا ہو گی کبھی یار دار

نکاح کا خیال اُس کو آیا نہیں
یہی مومنوں کا کیا ہے شعار ؟

پہ یاد آئی مجھکو ہے اب ایکبات
کہ ممکن ہے کرتی ہو بہتان شمار

فرشتہ خدا سے جو لایا پیام
وہ تہمت کی کرتا تھا گویا پکار

یہ پھر دینا تھا چاہیئے یہہ جواب
لگے کرنے تھے لوگ جب سنگسار

کیوں کہتا ہے اَے فرشتہ یہہ بات
پڑا مجھکو کیوں کرتا ہے تو خوار

بشارت مفتری یہ بشارت نہیں
بشارت یہ کیوں نہ ہو تہمت شمار

نکل آئی ہے ہٹ یہہ ہو مجھ سے دور
کہیں کا آیا ہے جی تو اک نابکار

تو ملعون ہے شیطان کا اک لعین
جو چاہتا ہے کرنا مجھے سنگسار

بہانے سے ہے پوچھتا بات کو
بنا شیخ نجدی ہے تو نابکار

خدا کی قسم کھاکے کہتی ہوں میں
زنا کی نہیں میں ہوں تقصیر وار

یہہ معنے ہیں منظور تمکو اگر
تعرض نہیں کرتا ہوں زینہار

مبارک یہہ معنے ہوں اب آپ کو
سعیدوں کا پہ یہہ نہیں ہے شعار

برابر جو ہیں مانتے روح کو
کہ مریم پہ جس کا ہوا تھا اُتار

فقط شق باقی اب ایک اور ہے
مساوی کریں عذروں کو گر شمار

کہ ممکن ہے وہ زوجۂ رب ہو
پہ ہو غیر کے واسطے دلفگار

خدا کو معاذ اللہ ہوا ہو شک
(معاذ) خفا مجھ پر میری ہے کیوں گلعذار

تسلی ہو چاہی، واں قاصد کے ہاتھ
جو آکر بنا اُس کا ہو راز دار

کہا اُس کو مریم نے ہو یہہ ملا
نہیں واللہ میں ہوئی ہوں نابکار

یہہ معنے بھی ویسے ہی مردود ہیں
کہ جیسے ہیں مردود وہ نابکار

لگاتے جو مریم پہ بہتان ہیں
جو کہتے ہیں یہہ وہ تو تھی نابکار

نہیں ممکن الغرض دونوں عذر
ہوں یکساں برابر مساوی شمار

وہ ہیں دونوں اک دوسرے کے نقیض
پڑے گا تمہیں کہنا آخر کو ہار

مقابل پہ ہوتے ہیں ہمجنس ہی
عدو کو عدو سے ہیں کرتے شمار

مقابل پہ ہوتے نہیں غیر جنس
دلائل کا یہہ بھی نرالی ہے سار

وہ دونوں ہیں مُدنی یا ہیں طبعی
سمجھ جاویں اللہ کرے [illegible] وقار

نہیں یہہ ہے ممکن کہ جس حال میں
مقابل بنا پہلا ہے [illegible] کار

تو پہلا ہو طبعی پہ مُدنی دوم
عدیلوں کی ہوتی ہے رکھتا شمار

اگر یہہ ہوں طبعی بلف ونشر
کہیں گے اسی بات کو آشکار

نہیں چھوا مجھکو کسی مرد نے
نہ ہوئی ہوں گھوڑے سے ہیں بار

یہہ مردود معنے ہیں جس حال میں
کریں آپ دونوں کو مُدنی شمار

یہہ معنے نہ مَس کے بنیں گے جماع
یہی مُدنی کی تو نرالی ہے سار

بشر ہوگا شوہر کا ہی ایک نام
کہ جس کی ہو بیوی بڑی شرمسار

بغیّا کے معنے ہیں گو کنچنی
ولے عذر سے جب کریں انکار

تو جو منحرف قوم سے ہو وہ بد
اُسی قوم کا وہ بغیّ شمار

قدم مارے گر قوم افراط پر
یا تفرلیطا ہی اُس کا ہووے شعار

تو جائز ہے اُس سے بغاوت کریں
عذابِ خدا کے نہ ہوں حصہ دار

بغیّ بغاوت سے نکلا ہے لفظ
بغاوت کبھی ہوتی اَحسن شمار

عموماً ہوا کرتی ہے چونکہ بد
[illegible] ہوتی ہے کنچنی ہی شمار

بغاوت ہمیشہ نہیں ہوتی بد
بغی کے معنے نہ ہیں کھینچی
کیا تھا کیا ہو گیا الٹ سب
تو پھر مانیں گے آپ میری یہ بات
تو مقبول معنے پھر اب بن گئے
نہیں لگا مجھکو خاوند ہے گھر
دلیر آتی ہے میر... تک نہیں
یہ ... ہے کمینوں کے ہاں
لپٹ جائیں خاوند کو میکے میں ہی
نہیں برتا میں نے یہہ دستور ہے
تدبر کریں آپ اپنا غور سے
اگر حمل ہوا اُسے آپ آپ
مثالاً وہ ہوئیں کیوں پیش تفسیر
کہا مانا اس لئے نہ خاوند کا گر
معاذ اللہ کہنا پڑے گا یہہ پھر
یا کہنا پڑے گا وہ تھے ایک جن
خدا کی پناہ ایں عقیدے سے ہے
نہیں اسوہ ہو سکتیں ازواج کا
کیوں کرتے مومن ہیں پھر شادیاں

تمدن کے آداب کے ہیں شعار
فقط اصطلاحاً ہیں ہوتے شمار
ذرا لغت میں دیکھ لو ایکبار
خدا نے جو کی مجھ پہ ہے آشکار
جو ہر طرف سے لایا ہوں گھیر گھار
تا ہو جاتی میں اُس سے واں باردار
کہ بن جاتی میں قوم میں داغدار
شرع گو کہ کرتی نہیں بد شمار
تا ہو جائیں اُن سے وہ پھر باردار
نہیں ہوئی میں قوم میں بد شمار
کہ مریمؑ کیوں ہوئیں اسوہ شمار
تو کس غرض سے ہوئی اسوہ شمار
اگر اُن کا خاوند نہ تھا زینہار
تو ازواج کا اسوہ تھیں کیوں شمار
رسولِ خدا تو تھے نہ زینہار
کہ جن کا نہ تھا جسم اک زینہار
جو مومن کو کرنا پڑا ہے خوار
نہ مومن کا ہو سکتی ہیں وہ شمار
نکاح کرتے ہیں لیکے پیسے ادھار

نکاح سے کیوں باز آتے نہیں
ہے کیوں مومن و مومنہ کا شعار

نمازوں میں کیوں پڑھتے ہیں یہ مدام
کیوں کرتے ذُرّیتی کی پکار

نہیں سمجھا اب بھی اگر آپ نے
جواب خدا میں کریں انکار

کذالک سکھاتا پڑا ہے کیا
کیا تردید اس میں ہے یا اعتبار

اگر سوچیں گے آپ اب غور سے
ذرا آلِ عمران میں ایک بار

پڑے گا یہی ماننا آپ کو
حقیقت تو یہ ... ی ہے ... شکار

کہ اس میں تو تصدیق دستور ہے
نہ تردید ... ں کو ... بار

ضمیر ہوتی ما بعد مرجع کے ہے
خصوصاً جہاں و ... ... ار

یہی حال ہوتا اشارے کا ہے
ضمیر ہی کا سا جو ہے رکھتا شعار

وہ پیدا کیا کرتا ہے اس طرح
ہے مریم نے جیسے کیا آشکار

نہ نے جائیگا تجھکو گھر تیرا مرد
بغی قوم کی پر تو ہوگی شمار

بغاوت تو مذموم یہ ہے نہیں
اگر تو خدا کی ہو خدمت گزار

بھلا پیدا کرتا ہے وہ کسطرح
ذرا دیکھ لیں دنیا میں ایک بار

بتا سکتے عورت ہیں دنیا میں آپ
بدوں مرد کے ہوئی ہو باردار

نہیں ہیں بتا سکتے گر اک نظیر
کریں سنت اللہ پر آپ اعتبار

جو مریم کے حق میں ہے اس نے کہی
کذالک یہ آپ اب کریں اعتبار

کی تصدیق اس نے ہے اک جا بیاں
ہے یہ ذکرِ اجمالی اک آشکار

اُٹھایا اُسے لیں" "ہوئی حاملہ"
مفصل خدا نے دیئے ہیں اتار

اختیاری میں میری سند ہا
ا...ن میں ہے اجمالی تفصیلی تار

مفصل دوم اور مجمل یکم
کلاموں کی تصدیق کی کس طرح
اٹھایا تھا مریمؑ نے کیسے کلام
ہوا کونسا فعل ان کا بیان
کہ اس نے کی تصدیق قو[illegible]دا
وہا[illegible] ہونکا تھا کونسا وہ کلام
اٹھا[illegible] [illegible]ادکام
کلا[illegible] ہوتے ہیں دنیا میں کلام
فرشتہ مثالی تھا [illegible]شر تھا
فرشتہ وہ خاوند مثالی ہی تھا
مقدس یوحنا بھی فرماتے ہیں
شروع میں کلام ہی تھا جو حمل میں
کلام ہی تھا عیسےٰ کا روح رو[illegible]
یہی بھید خلقت کا ہے خلق کی
کیا کلمۂ رب اور کیا روح رب
فرشتے نے مریم کو سمجھایا جو
وہاں سے کیا اس نے مشرق کو کوچ
اِسی کو خدا نے ہے فرمایا یوں
جو ہوائی جا کے تھی نہاں ہیں

کریں ان کے معنوں میں آپ افتکار
اگر مانیں وہ نہ تھیں پروردگار
جو متمثل ہوکے ہوا آشکار
یہاں تا کہ آجاوے یہہ اعتبار
اُٹھا کر ہوئیں جس کو وہ باردار
نتیجے میں جس کے ہوئیں باردار
فرشتے کی باتوں پہ کر اعتبار
نہیں اِس میں کوئی ہے شک زینہار
مثالی وہ تھا شوہر کا مگار
وہ متمثل ہوکے ہوا آشکار
کلام مجسم ہوا آشکار
وہی ساتھ اللہ کے تھا آشکار
جو متمثل ہوکے ہوا آشکار
ہوا کُن سے سب کچھ یہہ ہے آشکار
یہہ دونوں ہیں مترادف اے ذیوقا[illegible]
وہ مریم کو جب ہو گیا آشکا[illegible]
جو مریم نے اُس کا کیا اعتبار
کہ تصدیق مریم نے کی آشکار
ہی جا کے [illegible] وند کی و[illegible]

[illegible]

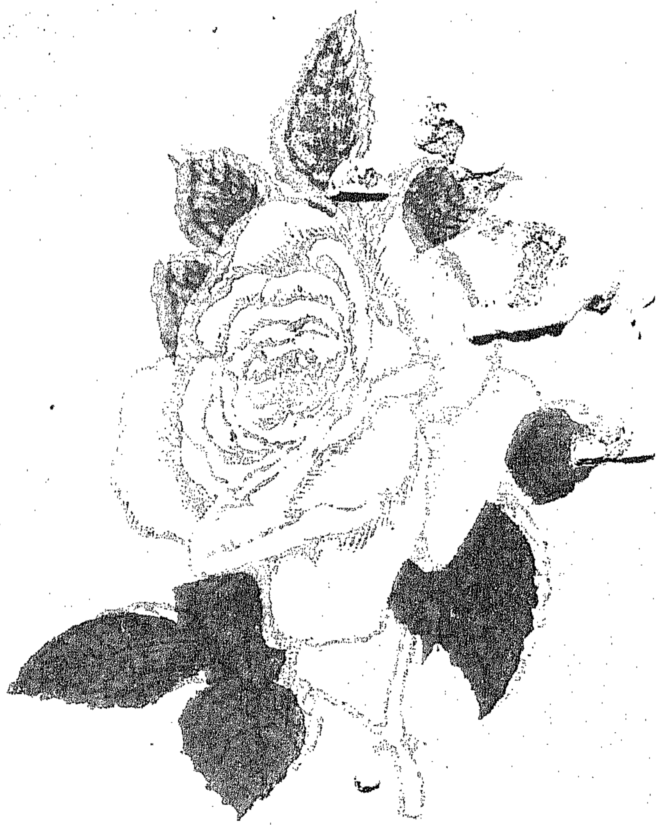
[illegible]

آمین ثم آمین

کتاب کے ملنے کا پتہ

مولوی [illegible] صاحب سیکنڈ ماسٹر گورنمنٹ

ہائی سکول گوجرانوالہ (پنجاب)



DATE	NO.	DATE	NO.